تہذیب اطفال

۲۸
ت

ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور

عالمِ اسلام کے مشہور فلسفی و حکیم، فقیہ دینِ حنیف
علامہ ابنِ قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ
کی معروف کتاب
تُحفۃُ الوَدُود بِاَحکامِ المَولُود
کی تلخیص بعنوان

تہذیبِ اطفال

ولادت سے بلوغت تک کے احکام و آداب

تلخیص، ترجمہ، تخریج احادیث و حواشی
ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

نورِ اسلام اکیڈمی
پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 588 4789

نام کتاب : تہذیب اطفال

مؤلف : ابن قیم الجوزیہؒ

مترجم : ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

ناشر : منتظم نور اسلام اکیڈمی لاہور، فون: 5884789

مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس، 43 نسبت روڈ لاہور

اشاعت : اوّل ——— اکتوبر 1991ء

نہم ——— جنوری 2005ء

ترتیب

عرضِ مُرتّب

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ —

وَبَعْدُ :

اسلام اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے فرمودات کے عین مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران : ۱۰۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار رہو۔"

اور پھر یہ فرمانبرداری اِدھر اُدھر مختلف حصوں میں تقسیم نہ ہوئی ہو، بلکہ صرف اور خالص اللہ اور اس کے رسول ؐ کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ (البقرة : ۲۰۸)

"اے ایمان والو' تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ..."

اور یہی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری مسلمانوں کی دنیاوی ترقی اور اُخروی نجات کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (الاحزاب : ۷۰'۷۱)

"اے ایمان والو' اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کردے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔"

مگر ان آیات کی روشنی میں جب ہم برِّعظیم ہندوستان وپاکستان کے مسلمانوں کا چہرہ دیکھتے ہیں تو سخت مایوسی اور پریشانی ہوتی ہے' کیونکہ ہمارے معاشرے پر اسلام کے رنگ کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے کئی رنگ نظر آتے ہیں۔ شادی بیاہ' مرنے جینے اور غمی خوشی میں ہندو تہذیب کا رنگ غالب ہے' تجارت اور معاملات میں یہودیت چھائی ہوئی ہے' سیاست اور حکومت پر مغرب پرستی کا جھنڈا لہرا رہا ہے' البتہ پُوجا پاٹ کی حد تک ہم مسلمان نظر آتے ہیں' یا کچھ دیگر مذہبی رسومات ادا کرکے ہم اپنی مسلمانی کا اظہار کرلیتے ہیں۔ اس مختلف رنگی کی کئی وجوہات ہیں:

اول : برِّعظیم میں پہلے پہل اسلام عرب تاجروں کے ذریعے پہنچا لیکن صحیح معنیٰ میں اس کی تبلیغ اور اشاعت صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ کے ذریعے ہوئی۔ ایک ایک

بندۂ خدا کے ہاتھ پر بلا مبالغہ کئی کئی لاکھ آدمی مسلمان ہوئے۔ ان اولیاء اللہ کے فیوض و برکات سے لوگ اسلام میں داخل تو ہو گئے مگر ان نو مسلموں کے لیے دینی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہو سکا۔ کیونکہ ان صوفیاءِ کرام کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے جانشین اور خلفاء نے نذرانے جمع کرنے پر تو خوب محنت کی لیکن تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل تو ہو گئے لیکن عملاً اور رسم و رواج کے اعتبار سے ہندو ہی رہے۔

دوم : آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو برِّعظیم پاک و ہند کی حکمرانی عطا کی اور کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمان یہاں حکمرانی کرتے رہے، لیکن بالعموم سرکاری طور پر دینی تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا، (چند ایک افراد اور چند چھوٹی ریاستوں کا معاملہ ضرور قابلِ تعریف ہے) کیونکہ حکمرانوں کی توجہ استحکامِ حکومت اور وُسعتِ ریاست پر مرکوز تھی ـــــ اور نتیجتاً رقبے کے لحاظ سے اتنی طویل و عریض سلطنت پر ہزار سال تک حکمرانی کرنے کے باوجود مسلمان ہندوانہ اثر سے باہر نہ نکل سکے۔

سوم : تاجر اور مکّار انگریز نے جب ہندوستان میں اپنے قدم جمائے اور بالآخر یہاں کا حاکمِ مطلق بن گیا تو اس نے اپنے تہذیب و تمدن کا جال پھیلا دیا۔ مادی ترقی اور آزادیٔ فکر کے نام سے مسلمانوں کو ان کی کمزور اور لاچار سی تہذیب و ثقافت سے بھی دور کر دیا اور ایک ایسا نظام یہاں مسلّط کر دیا جس میں دنیاوی ترقی اور دینی تعلیم دو مختلف سمتوں میں سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت (پاکستان بن جانے کے بعد بھی) دنیاوی ترقی کے شوق میں دینی تعلیم اور اسلامی اخلاق و آداب سے روز بروز دور ہوتی چلی گئی۔ انہی اسباب و

عوامل کی وجہ سے آج تک ہمارے معاشرے پر اسلام کا تھوڑا سا رنگ ہی آیا ہے۔ کچھ رنگ ہندو تہذیب کا ہے اور باقی یہودیت و عیسائیت کا رنگ ہے۔ خالص اسلامی رنگ (جسے قرآن "صبغۃ اللہ" کہتا ہے) بہر حال غائب ہے۔

صوفیاءِ کرام کی مبارک اور قابلِ تعریف جِدّو جُہد کے بعد یہاں اہلِ علم و دانش کا دور آیا اور انہوں نے حتی الوسع گمراہی اور جہالت کے خلاف جہاد کیا۔ اسی خطّے سے شاہ ولی اللہؒ جیسے مفکر و دانشور، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ جیسے مترجمینِ قرآن، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، ابوالکلام آزادؒ اور سید مودودیؒ جیسے مفسرینِ قرآن اور سید نذیر احمدؒ، عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ اور سید انور شاہ کاشمیریؒ جیسے محدثین پیدا ہوئے۔ بہت عالی شان اور عظیم قسم کے دارالعلوم اور دینی درس گاہیں بھی سینکڑوں کی تعداد میں وجود میں آئیں اور ہر سال کئی کئی ہزار فارغ التحصیل علماء میدان میں اترے، جنہوں نے ایک طرف مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ کیا ــــــ خواہ یہ فتنے دشمنانِ دین و مِلّت کے پیدا کردہ ہوں یا خود مسلمانوں کے اندر سے انہوں نے جنم لیا ہو ــــــ جیسے مرزائیت، پرویزیت، چکڑالویت وغیرہ وغیرہ۔ ان فتنوں سے نمٹنے کے لیے علماء نے خطبہ، وعظ، تقریر، درسِ قرآن اور درسِ حدیث کو ذریعہ بنایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تصنیف و تالیف، ہفتہ وار اور ماہوار رسائل و جرائد کے ذریعے بھی خدمت کی اور اِن فتنوں کا سدباب کیا۔

دوسری طرف اہلِ علم نے جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی درس گاہیں، تحفیظ القرآن کے مدرسے اور وعظ وارشاد کے مرکز کھول دیئے۔ بعض اہلِ علم و اہلِ قلم نے بذریعہ قلم و قرطاس جہالت اور فتنوں کے خلاف جہاد کیا۔ ان علماء کی تعداد بھی ہزاروں سے زیادہ ہے۔ ہر قابلِ ذکر بڑے شہر سے ہفتہ وار اور ماہوار

دینی و اسلامی پرچوں اور رسالوں کا اجراء بھی ہوا۔

کئی قابلِ ذکر جماعتوں نے اپنے متعلقین و متوسلین کی تعلیم و تربیت کا انتظام بغیر درسگاہوں کے کیا، جیسا کہ تحریکِ خاکسار، تحریکِ مجاہدین (سید احمد شہید و مولانا اسماعیل شہید رحمہما اللہ) تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی اپنے ابتدائی دور میں (جب تک کہ وہ ایک انقلابی اسلامی جماعت تھی ـــــ اور انتخابی سیاست سے دُور تھی)۔

دل پر بھاری پتھر رکھ کر یہ ماننا پڑے گا کہ ان عظیم شخصیتوں، بے مثال اور عظیم الشان دینی درس گاہوں اور اصلاحی دینی جماعتوں کے اثرات بہرحال محدود رہے ہیں اور عوام کی بڑی اکثریت تک صحیح علم دلیل و برہان کے ساتھ نہیں پہنچ سکا۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں :

۱۔ عوام کی اکثریت علم سے دُور، پڑھنے لکھنے سے بیگانہ اور خاندانی رسم و رواج سے محبت کرنے والی تھی، لہٰذا بات سنائی تو جا سکتی تھی، پڑھائی نہیں جا سکتی تھی۔

۲۔ جدید وسائل نشریات ریڈیو، ٹی وی ہمیشہ انگریزوں یا ان کی معنوی اولاد ملکی حکمرانوں کے زیر اختیار رہے ہیں اور انہیں یہ بات قطعاً برداشت نہیں تھی ـــــ اور نہ ہے کہ دین کا صحیح علم عوام تک پہنچ جائے۔

۳۔ مادی ترقی کا راستہ جدید تعلیم کو بنا دیا گیا اور جدید تعلیم کا مکمل انتظام بہرحال حکمرانوں کے پاس ہے۔ لہٰذا یہاں بھی دینی مضامین کو رِیشِ طاؤس کی طرح سجایا تو گیا البتہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔

۴۔ علماءِ متقدمین کی تصنیفات و تالیفات یا تو عربی و فارسی زبان میں تھیں جو کہ عوام کے بس کا روگ نہیں اور یا پھر خالص علمی انداز میں تھیں جو معمولی پڑھے لکھے آدمی کی سمجھ سے بالا تھیں۔ البتہ جن علماء نے عوامی انداز میں لکھا ان کی

تالیفات جلد مشہور ہوئیں اور عوام نے ان سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا۔

۵۔ دارالعلوم اور دینی درسگاہوں سے فارغ التحصیل علماء کا ایک گروہ تو واقعتاً خدمتِ دین میں سنجیدہ تھا اور انہوں نے حقیقتاً گراں قدر خدمات انجام دیں ____ لیکن فارغ التحصیل حضرات کی ایک بڑی تعداد' جو عموماً منبر و محراب کے ناطے عوام سے قریب تر تھی' انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کی بجائے اسلام اور دین کو وجہ فساد بنا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس مقام پر کھڑے ہو کر یہ حضرات عوام کو صحیح علم دین پہنچا سکتے تھے' ان کی تعلیم و تربیت کر سکتے تھے' ان کے اندر خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کا جذبہ بیدار کر سکتے تھے اور ہر طرح کے شرکیہ' کفریہ اور جاہلانہ رسم و رواج کو ختم کر سکتے تھے' اسی دینی سٹیج پر کھڑے ہو کر انہوں نے بے مقصد اختلافی مسائل کو ہوا دی۔ ہر فرقے نے دوسروں پر کفریہ فتووں کی تیراندازی کی اور اپنے اپنے فرقے اور اس کے اکابرین کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ مخالفین کو ہیچ اور ہیچ دکھانا ان کے نزدیک خدمتِ اسلام ٹھہرا۔ بسا اوقات معاملہ مار کٹائی' فائرنگ اور عدالتی کارروائی تک پہنچا۔ مسجدیں جو صرف اللہ کا گھر تھیں' فرقوں' مسلکوں' جماعتوں اور گروہوں کے نام سے پہچانی جانے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں کو صاف ستھرا اور نقش و نگار سے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن فرقہ پرستی کی مقابلے بازی میں مسجدوں کی آرائش شاہی محلات کی طرح ہونے لگی۔ منبر و محراب اور گنبد و مینار کے اخراجات بسا اوقات پوری مسجد کی تعمیر سے بڑھ گئے ____ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام فرقہ پرست علماء سے دور ہوتے ہوتے دینی علم سے بھی دور ہو گئے۔ اور بچی کھچی کسر علماء کی مغربی جمہوریت پرستی نے پوری کر دی۔

یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ عوام دین سے نالاں ہیں' کیونکہ تاریخ نے ثابت

کیا ہے کہ برِّعظیم پاک و ہند کے مسلمان دین کے شیدائی ہیں اور دین کی خاطر انہیں جس قدر بھی قربانی دینی پڑے وہ کبھی اس سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ تحریکِ خلافت' ریشمی رومال کی تحریک' تحریکِ خاکسار' تحریکِ پاکستان' مرزائیوں کے خلاف دو دفعہ تحریک' تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ ' (ہندوستان میں) بابری مسجد تحریک ـــــ اور ان تحریکوں میں شہید' زخمی اور مالی نقصان اٹھانے والوں کی قربانیاں اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔

معلوم ہوا کہ عوام دین سے نالاں یا بےزار نہیں ہیں بلکہ فتنہ پرور علماء نے انہیں اپنے کردار کی وجہ سے بیزار کر دیا ہے ـــــ اور اب عوام کو دین کے قریب لانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں بے مقصد اختلافی مسائل سے نجات دلائی جائے' منبر و محراب کا حق ادا کرتے ہوئے وہاں سے صحیح علم عوام تک پہنچایا جائے' خطباتِ جمعہ میں قصہ گوئی کی بجائے فکر آخرت اور خوفِ خدا پیدا کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے ـــــ کراماتِ اولیاء اور کفریہ فتوے بیان کرنے کی بجائے اسلام کے معاشی' سیاسی' معاشرتی اور اخلاقی نظام کی تعلیم دی جائے ـــــ دارالعلوموں اور دینی درسگاہوں کے نصاب کو حالات اور ضروریات کے مطابق ترتیب دیا جائے ـــــ ہفتہ وار اور ماہوار دینی پرچوں میں اختلافی مسائل کے بجائے دینی تعلیم پر مبنی مضامین شائع کیے جائیں اور ان کی زبان اس قدر آسان اور سادہ رکھی جائے کہ پانچویں پاس طالب علم بھی انہیں سمجھ لے۔ دارالاشاعت اور پبلشرز ایسی مختصر اور سادہ کتابیں شائع کریں کہ ہر غریب آدمی انہیں خرید سکے اور کم پڑھا لکھا آدمی بھی انہیں سمجھ سکے' تاکہ دینی علم صرف فارغ التحصیل علماء کی میراث نہ بنا رہے' بلکہ ہوا و پانی کی طرح وافر اور بآسانی ہر جگہ دستیاب ہو اور دین کی تعلیمات کا اثر معاشرے میں ہر سطح پر نظر آئے۔

انہی مقاصد کے پیش نظر میں نے فلاسفرِ اسلام' فقیہ دینِ حنیف علّامہ ابنِ قیّم الجوزیہ رحمہ اللہ کی مایۂ ناز تالیف "تحفة الودود باحکام المولود" کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے۔ حاشا و کلاّ ایسا خیال ہرگز میرے ذہن میں نہیں گزرا کہ آج تک دینی علم کی جو کمی ہمارے معاشرے میں ہے وہ اِس ایک پمفلٹ نما کتاب لکھ دینے سے پوری ہو جائے گی' یا جو کام رجالِ دین سے آج تک نہیں ہوا وہ میں نے پورا کردیا ہے —— بلکہ یہ تو بحرِ ظلمات میں تیز آندھیوں کے درمیان ایک دیا سلائی جلانے جتنا کام بھی نہیں ہے۔ یہ اُلٹا سیدھا ترجمہ اس لیے پیش کردیا ہے کہ یہی کچھ میری بساط میں ہے' لہٰذا کم از کم یہی میرا فرض ہے۔ دوسرے اس لیے بھی کہ شاید چند اصحابِ علم و قلم کا جذبہ (میرے تیز و تند تجزیئے کے سبب) جاگ جائے اور یہ لوگ فی الواقع کوئی علمی خدمت کر گزریں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!

صاحبِ کتاب کے حالاتِ زندگی

آپ کا نام محمد' والد کا نام ابوبکر اور دادا کا نام ایوب تھا۔ کنیت ابوعبداللہ اور لقب شمس الدین تھا۔ ابنِ قیّم الجوزیہ کے نام سے شہرت پائی۔ ۷/ صفر ۶۹۱ ہجری میں ولادت ہوئی۔ متعدد اہلِ علم سے صرف' نحو' بلاغت' فقہ' حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔ فراغت کے بعد الصدریہ اور الجوزیہ نامی دینی درسگاہوں میں مدرس کے فرائض انجام دیئے۔ بیسیوں کی تعداد میں کتابیں تصنیف کیں' جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱۔ اجتماع الجیوش الاسلامیة علی غزو المعطلة والجھمیة۔

۲۔ احکام اھل الذمة (۲ جلد)

۳۔ اسماء مؤلفات ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ
۴۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین (۴ جلد)
۵۔ اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان (۲ جلد)
۶۔ اغاثۃ اللھفان فی حکم طلاق الغضبان
۷۔ بدائع الفوائد (۲ جلد)
۸۔ التبیان فی اقسام القرآن
۹۔ تحفۃ المودود فی احکام المولود
(اس کتاب کا دوسرا نام: تحفۃ الودود باحکام المولود)
اسی کتاب کا ترجمہ باختصار و اضافات حاضر ہے۔
۱۰۔ تہذیب مختصر سنن ابی داؤد (۸ جلد)
۱۱۔ جلاء الافھام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الانام ﷺ
۱۲۔ حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح
۱۳۔ حکم تارک الصّلاۃ
۱۴۔ الدَّاءِ وَالدَّواء
۱۵۔ الرسالۃ التبوکیہ
۱۶۔ روضہ المحبین ونزھۃ المشتاقین
۱۷۔ الرُّوح
۱۸۔ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد (۴ جلد)
۱۹۔ شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل
۲۰۔ الصواعق المنزلۃ علی الجھمیۃ والمعطلۃ (۲ جلد)
۲۱۔ طریق الھجرتین وباب السعادتین

۲۲۔ الطريق الحكمية فی السياسة الشرعية

۲۳۔ عدة الصابرين و ذخيرة الشاكرين

۲۴۔ الفروسية

۲۵۔ الفوائد

۲۶۔ الكافية الشافية فی الانتصار للفرقة الناجية

۲۷۔ مدارج السالكين بين منازل اِيَّاكَ نعبدُ وَ اِيَّاكَ نستعين (۳ جلد)

۲۸۔ مفتاح دار السعادة و منشور ولاية العلم و الارادة

۲۹۔ الوابل الصَّيِّب من الكلم الطَّيِّب

۳۰۔ المنار المنيف فی الصحيح و الضعيف

۳۱۔ هداية الحيارىٰ فی اجوبة اليهود و النصارىٰ

یہ سب تالیفات و تصنیفات چھپی ہوئی دستیاب ہیں' اور یقیناً متعدد کتابیں ایسی بھی ہوں گی جو چھپ نہیں سکیں اور نہ ہی ان کے نام میرے علم میں ہیں۔ یہ تمام تالیفات اپنے اپنے موضوع پر اہل علم کو منارۂ نور کی طرح راہنمائی دے رہی ہیں۔

وفات

جمعرات کی رات ۱۳ رجب ۷۵۲ ہجری میں آپ کی وفات ہوئی اور ظہر کی نماز کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور بابِ صغیر (دمشق) کے قبرستان میں دفن کر دیئے گئے۔

اللّٰهم اغفر لهٗ وارحمهُ وعافهٖ واعفُ عنه (آمین یا ربَّ العالمین!)

کچھ "تحفۃ الودود باحکام المولود" کے بارے میں

امام ابنِ قیّم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصنیفات و تالیفات کتاب وسُنّت کی بہترین اور بے لوث خدمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کا اندازِ تحریر بہت واضح اور شرعی نصوص کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ فلسفہ اور عِلمِ کلام کا سہارا نہیں لیتے۔ مسئلہ بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی آیتِ قرآنی' حدیثِ نبویؐ' قولِ صحابیؓ اور ائمۂ مجتہدین کی آراء نقل کر دیتے ہیں۔ امام صاحب خالص حنبلی نہیں ہیں لیکن مسلکِ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ضرور ہیں۔ اس لیے عموماً حنبلی مسلک کے علماء کی رائے کو مقدم رکھتے ہیں۔ یہی اسلوب اور طرزِ نگارش آپ نے زیرِ نظر کتاب میں بھی اختیار کیا ہے۔

اس موضوع پر شاید اتنی تفصیلی کتاب آپ سے پہلے کسی نے نہیں لکھی ـــــ اور پھر آپ نے بچے کی پرورش سے متعلق کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا۔ ہر مسئلے پر گفتگو کی اور بادلیل کی۔ اسی لیے یہ کتاب آج تک اہلِ علم کے لیے مرجع و مصدر کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کے قلمی نسخے دنیا کی متعدد لائبریریوں میں دستیاب ہیں۔ متعدد بار چھپ چکی ہے۔ آخری بار ۱۴۰۴ھ میں مصر سے طبع ہوئی ہے ـــــ دار الریان للتراث القاھرہ نے بہت محنت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ موجودہ ایڈیشن کی اہم ترین خوبی یہ ہے کہ محقّق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جناب ڈاکٹر عبدالغفار سلیمان البنداری نے تمام حدیثوں کی علمی حیثیت بھی متعین کر دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حدیث فلاں کتاب' فلاں باب میں دستیاب ہے' جس کی وجہ سے کتاب کی علمی حیثیت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ فجزاہُ اللّٰہُ عنّا کُلَّ خیرٍ

تلخیص و ترجمہ

"تحفۃ الودود باحکام المولود" جو اس وقت میرے پاس ہے اس کے ۲۷۲ صفحات ہیں اور سائز بھی ۲۴x۱۶ سم ہے۔ اگر اس پوری کتاب کا ساری آیاتِ قرآنی' احادیثِ نبویؐ' اقوالِ صحابہؓ اور آرائے ائمہؒ سمیت ترجمہ کرتا تو ۴۰۰ صفحات سے کم میں یہ کتاب نہ چھپ سکتی' لہٰذا نہ عام آدمی خرید سکتا اور نہ پڑھتا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ کتاب میں موجود ہر ضروری مسئلے کو بیان کر دیا جائے اور جہاں مسئلے کی وضاحت کے لیے امام صاحب نے چار پانچ حدیثیں بیان فرمائی ہیں' مَیں صرف ایک حدیث بیان کر کے اس کا ترجمہ کر دوں تا کہ کتاب کا حجم اور صفحات کم سے کم رہیں۔ البتہ اگر کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے تو میں نے دو یا تین حدیثیں بھی بیان کر دی ہیں تا کہ مسئلہ سمجھنے میں کوئی الجھن باقی نہ رہے۔ کہیں کہیں بامرِ مجبوری صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ائمہ فقہاء کے اقوال تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔

واضح رہے کہ میں نے اقوالِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا فقہاءِ قابلِ صد احترام رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال اس لیے نہیں چھوڑے کہ اُمّتِ مسلمہ کو ان کی ضرورت نہیں یا پھر (استغفر اللّٰہَ ثُمّ اتوب الیہ) میں ذاتی طور پر ان کا احترام نہیں کرتا' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میرا مقصد کتاب کو انتہائی مختصر کرنا تھا —— اور پھر جب مسئلے کی دلیل قرآن پاک کی آیت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دستیاب ہو گئی تو یقیناً کافی حد تک مسئلہ واضح ہو گیا۔

اسی طرح ان بحثوں کو بھی حذف کر دیا ہے جن سے عام آدمی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً عقیقہ کے اصل معنیٰ کیا ہیں اور یہ کہاں کہاں سے ہوتا ہوا

موجودہ معروف معنی تک پہنچا ہے یا رحمِ مادر میں نطفہ پہنچنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات گزرتے ہیں اور کن کن مرحلوں سے گزر کر وہ مکمل انسان کی شکل اختیار کرلیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں حاشیے کے اندر یا مستقل اور علیٰحدہ عنوان لگا کر کتاب وسُنّت کی دلیل کے ساتھ چند مسائل کا اضافہ کردیا ہے۔

حواشی کے بارے میں

حواشی کے اندر میں نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ ضروری نوٹ جو کسی مسئلے کی وضاحت یا کسی انتہائی اہم بات کی طرف توجہ دلانے کی خاطر ہیں اور ان کی تعداد کچھ زیادہ نہیں' بس چند ایک ہیں —— اور زیادہ لمبے بھی نہیں۔

۲۔ احادیث کے حوالہ جات' تاکہ اگر کوئی صاحب تسلّی کرنا چاہیں تو محوّلہ حدیثوں کو آسانی سے چیک کرلیں۔ بالعموم یہ کام اہلِ علم کے لیے مفید ہوتا ہے' لیکن پھر بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ احادیث کے حوالے کے ساتھ ان کی علمی حیثیت کا بھی مندرجہ ذیل اصطلاحات کی شکل میں حکم بیان کردیا ہے:

(الف) صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو نقل کرتے ہوئے کوئی حکم نہیں لگایا' کیونکہ پوری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ بخاری و مسلم کی تمام حدیثیں بہترین درجے کی صحیح ہیں' لہٰذا حکم بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

(ب) "حدیث بالکل صحیح ہے" اس حدیث کے بارے میں کہا ہے جو کہ اگرچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو موجود نہیں ہے البتہ ان کی عائد کردہ شرطوں کے مطابق ہو یا امام بخاری اور امام مسلم نے اسے صحیح قرار دیا ہو۔

(ج) "حدیث صحیح ہے" جس حدیث کے بارے میں امام بخاری یا امام مسلم کے علاوہ کسی دوسرے محدث نے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہو۔

(د) "حدیث حسن ہے" اس میں "حسن" یا وہ حدیث شامل ہے جو اگرچہ قدرے کمزور تھی لیکن دوسرے قرائن کی وجہ سے محدثین نے اسے قابلِ عمل مانا ہو۔

(ہ) "حدیث گزارا لائق ہے" یہ حکم اس حدیث کے بارے میں ہے جو خود تو ضعیف اور ناقابل قبول تھی لیکن اسی طرح کی متعدد کمزور حدیثیں ذخیرۂ حدیث میں موجود تھیں اور ان سب کو ملا جلا کر گزارا کیا جا سکتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ حکم میں نے اپنی طرف سے نہیں لگایا' بالعموم علامہ ناصر الدین الالبانی یا امام الہیثمی کی رائے سے استفادہ کیا ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ "فلاں حدیث ضعیف ہے" تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو 'نعوذ باللہ' ضعیف اور کمزور قرار دے رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی آنحضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کو ضعیف یا کمزور نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات براہ راست تو ہمارے پاس نہیں آئے' بلکہ آپ ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا۔ صحابہؓ سے تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے' تابعینؒ سے ان کے بعد آنے والوں نے اور بالآخر حدیث مؤلفینِ کتب حدیث تک پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ سے چلتے چلتے حدیث امام بخاری یا دیگر مؤلفین تک چار یا پانچ واسطوں سے پہنچتی ہے' لہٰذا حدیث میں کمی بیشی یا غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ

محدثین نے کسی بھی حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے مندرجہ ذیل پانچ اصول وضع کیے ہیں :

۱۔ ہر راوی کی اپنے استاد سے ملاقات ثابت ہو' ورنہ کیسے ممکن ہے کہ اس راوی نے اس استاد سے سن لیا ہوگا۔

۲۔ ہر راوی عاقل' بالغ مسلمان ہو اور گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو۔

۳۔ ہر راوی کا حافظہ عمدہ ہو' اس کی یادداشت مضبوط ہو' بھول چوک کی بیماری سے بچا ہوا ہو۔ کبھی کبھار بھول جانا بیماری نہیں ہوتی۔

۴۔ وہ حدیث کسی عمدہ اور بہتر درجے کی حدیث کی مخالفت بھی نہ کرے۔ یعنی شاذ نہ ہو۔

۵۔ اہل علم محدثین نے اس حدیث کو کسی تکنیکی وجہ سے رد بھی نہ کیا ہو۔

جب یہ شرطیں پائی جائیں گی تو ہم حدیث کو صحیح قرار دیں گے اور اگر شرط نمبر ۳ میں ذرا سی کوتاہی ہوگی تو ہم اسے حسن کہہ دیں گے۔ لہٰذا جب تک یہ پانچ شرطیں حدیث میں نہ پائی جائیں کسی حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ان شرطوں کا لحاظ نہ کیا جاتا تو جس کے منہ میں جو آتا آپ ﷺ کا نام لے کر بیان کر دیتا۔ لہٰذا یہ پانچ شرطیں بھی حدیث کی حفاظت کی خاطر رکھی گئی ہیں۔ اگر مذکورہ بالا پانچوں شرطیں موجود ہوں گی تو حدیث صحیح تسلیم ہوگی' ورنہ اسے ہم ضعیف کہنے پر مجبور رہیں۔

اہلِ علم سے مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ اگر ترجمۂ نصوص یا حکمِ حدیث میں کوئی کوتاہی محسوس کریں تو بندہ کو فوراً مطلع کر دیں۔ حقیقت واضح ہونے پر اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے گی' ان شاء اللہ ـــــ اور محسن کا شکر گزار ہوں گا۔

اسی طرح قارئین کرام سے بھی اپیل کروں گا کہ وہ بندۂ خاکسار اور میرے والدین کے حق میں دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جب تک زندہ رکھے شیطان کے ہر شر سے محفوظ رکھے۔

میں شکر گزار ہوں دوستوں کے تعاون کا، جن کے قیمتی اور بے لوث مشوروں کی بدولت آج یہ کتابچہ تیار ہوا ـــــ اور خاص طور پر جناب محترم ابوطٰہٰ حافظ خالد محمود خضر مدیر عمومی نورِ اسلام اکیڈمی لاہور کا، جن کی مخلصانہ کوششوں سے یہ کتابچہ چھپ سکا۔

سب سے آخر میں مَیں اللہ ربّ العزت والجلال کا ہزار ہزار بار شکر گزار ہوں کہ جس نے اس ناچیز اور کمزور بندے کو اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس قابل بنایا کہ یہ کتاب ترجمہ، تلخیص اور تخریج کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کر سکے ـــــ اور اُسی ذاتِ قدوس کے سامنے التجا کرتا ہوں کہ میری اس محنت وکوشش کو شرف قبولیت بخش کر قیامت کے دن آگ سے نجات کا بہانہ بنادے،
وَمَاتَوفِیقِی اِلاَّ بِاللّٰہِ عَلَیہِ تَوَکَّلتُ وَاِلَیہِ اُنِیبُ

بروز منگل ۱۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
بمطابق ۱۸/ جولائی ۱۹۸۹ء
نظرثانی : ۱۷ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
بمطابق ۱۳ مئی ۱۹۹۸ء بروز بدھ

محتاجِ اصلاح ودعا
ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور
ص ب ۲۰۳۔ الدوادمی ۱۱۹۱۱
الریاض، سعودی عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولاد کی آرزو کرنا

۱۔ اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ نیک اولاد کی دُعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

(البقرۃ : ۱۸۷)

"اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی (میاں بیوی کا فطری ملاپ) کیا کرو۔ اور اللہ نے جو تمہارے لیے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو۔"

حضرت مجاہد، حضرت الحکم، حضرت عکرمہ، حضرت حسن بصری، حضرت سدی اور حضرت الضحاک رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کے نزدیک "مَا كَتَبَ اللّٰهُ" سے مراد اولاد ہے ــــ عظیم مفسر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے ہیں کہ "مَا كَتَبَ اللّٰهُ" سے مراد اولاد ہے۔[۱]

اسی لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ اولاد کی صلاحیت والی عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

((تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ ، فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ))[۲]

---

(۱) تفسیر طبری ج ۲ ص ۹۹

(۲) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب النهی عن تَزْوِیج مَن لَمْ يَلِدْ مِنَ النِّسَاء، ح ۲۰۵۰۔ سنن النسائی، کتاب النکاح، باب کراهیة تَزویج العَقیم ح ۳۲۲۷۔ حدیث صحیح ہے۔ اس معنی کی حدیث مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۵۸ اور ص ۲۴۵ پر ذکر ہوئی ہے۔ وہ حدیث بھی صحیح ہے۔

”زیادہ اُلفت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورتوں سے نکاح کرو‘ کیونکہ میں تمہارے ذریعے سے دوسری اُمتوں کے مقابلے میں اپنی اُمت بڑھانے والا ہوں۔“

۲۔ نیک اولاد والدین کے لیے دنیا میں باعثِ امن وسکون اور مرنے کے بعد ان کی دُعا باعثِ اجر و ثواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَتُرْفَعُ لَهُ الدَّرَجَةُ‘ فَيَقُوْلُ : اَىْ رَبِّ اَنّٰى لِىْ هٰذَا؟ فَيَقُوْلُ : بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ مِنْ بَعْدِكَ)) (۳)

”بندۂ مؤمن کا جنت میں درجہ یکایک بلند ہو جائے گا تو وہ سوال کرے گا: ”اے رب! مجھے یہ درجہ کیسے نصیب ہو گیا؟“ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”تیرے مرنے کے بعد‘ تیری اولاد کی دعائے مغفرت کے سبب۔“

دُوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ : اِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ)) (۴)

”جب انسان اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے‘ البتہ تین طرح کے اعمال کا اجر جاری رہتا ہے۔
(۱) صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے۔
(۳) نیک اولاد جو (بزرگوں کے لیے) دُعا کرے۔“

۳۔ اگر والدین کو زندگی میں اولاد کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑ جائے تب

---

(۳) سنن ابی ماجہ‘ کتاب الادب‘ باب بِرُّ الوَالِدَین ح ۱۰۶۱۸۔ مسند احمد ۲/۵۰۹۔ استاذ احمد شاکر نے کہا ہے کہ حدیث صحیح ہے۔

(۴) صحیح مسلم‘ کتاب الوصیۃ‘ باب ما یُلحَق بالانسان من الثَّوابِ بعدَ وفاتہ ح ۱۶۳۱۔ مسند الامام احمد ج ۲ ص ۳۷۲۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔

بھی انہیں اجر ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

((مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ يَمُوتُ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ)) [۵]

"جس مسلمان (مرد' عورت) کے تین نابالغ بچے (بیٹے' بیٹیاں) فوت ہو جائیں' ان بچوں پر شفقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو ضرور جنت میں داخل فرمادے گا۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے :

أَتَتِ امْرَءَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ لَهَا فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ لَهُ' فَلَقَدْ دَفَنْتُ ثَلَاثَةً' فَقَالَ: ((دَفَنْتِ ثَلَاثَةً؟)) قَالَتْ: نَعَمْ' قَالَ لَهَا: ((لَقَدِ احْتَظَرْتِ بِحِظَارٍ شَدِيْدٍ مِّنَ النَّارِ)) [۶]

"ایک عورت اپنا بچہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: 'یا رسول اللہ! اس بچے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائیں' میں تین بچے دفن کر چکی ہوں۔' آپ ﷺ نے فرمایا "تین دفن کیے ہیں؟" اُس نے کہا "جی ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب تو تم نے آگ سے محفوظ باڑ (حصار) بنالیا ہے۔"

اگر کسی مسلمان کے تین بچوں کی بجائے دو بچے ہی فوت ہوئے ہوں تب بھی وہ

---

(۵) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما قیل فی اولادِ المُسلمین ح ۱۳۱۵۔ و مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۴۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۶) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب فضل من یموت له ولدٌ فَیَحْتَسِبُه' ح ۲۶۳۶۔ سنن النسائی' کتاب الجنائز' باب من قدم ثلاثةً ح ۱۸۷۶۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔

آگ سے تحفظ کا سامان بن سکتے ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلنِّسَاءِ : ((مَا مِنْکُنَّ امْرَءَ ةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا اِلَّا کَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ)) فَقَالَتِ امْرَءَ ةٌ: وَاثْنَیْنِ؟ فَقَالَ: ((وَاثْنَیْنِ))(۷)

"حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: "تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں تو وہ آگ سے تحفظ کا سامان بن جائیں گے۔" ایک عورت نے دریافت کیا: "اگر دو بچے فوت ہوئے ہوں تو کیا حکم ہے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں دو بچے بھی تحفظ کا سامان ہیں۔"

یہ اَجر و ثواب صرف اسی شکل میں ہے کہ جب والدین صبر کرتے ہوئے اجر کے طلبگار رہوں، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے واضح ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَمُوْتُ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَیَحْتَسِبُهُمْ اِلَّا کَانُوْا لَهُ جُنَّةً مِنَ النَّارِ)) فَقَالَتِ امْرَءَ ةٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوِ اثْنَانِ؟ قَالَ: ((اَوِ اثْنَانِ))(۸)

"جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں، پھر اجر کی نیت کے ساتھ صبر کرے تو یہ بچے اس کے حق میں آگ سے ڈھال بن جائیں گے"۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی ایک عورت نے دریافت کیا: "دو بچوں کا کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں دو بچے بھی آگ سے ڈھال بن جائیں گے۔"

(۷) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء یومًا علی حدہ ح ۱۰۱۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من یموت له ولدٌ فیحتسبه، ح ۲۶۳۳۔ حدیث بالکل صحیح ہے۔

(۸) موطا امام مالك، کتاب الجنائز، باب الحسبة فی المصیبة، حدیث=

بیٹیوں کی پرورش ـــ جنّت کی چابی

۱۔ بچیوں کی آمد پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی دل میں رنجیدہ ہونا چاہیے۔ اس صورت میں انسان اپنے رب کا ناشکرا اور تقدیرِ الٰہی کا باغی محسوس ہوتا ہے' کیونکہ بیٹے اور بیٹیاں عنایت کرنے والی ایک ہی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ○ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ ﴾
(الشُّورٰی : ۴۹'۵۰)

"زمین و آسمان کی بادشاہی صرف اللہ کے لیے ہے۔ جو چاہے پیدا کرے' جسے چاہے بچیاں عنایت کرے اور جسے چاہے بچے (مذکر) عنایت فرمادے' یا انہیں مذکر و مؤنث ملے جلے عطا کرے' اور جسے چاہے بانجھ بنادے۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا اور قدرت رکھتا ہے۔"

بچیوں کی آمد پر ناک منہ چڑھانا تو درحقیقت مشرکانہ اخلاق اور ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ قرآن کریم اس صورتِ حال کا نقشہ اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے :

﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ ﴾
(النَّحل : ۵۸'۵۹)

=بالکل صحیح ہے ـــ ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم ح ۲۶۳۳

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بُری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے' سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رکھے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے بُرے حکم ہیں جو یہ (خدا کے بارے میں) لگاتے ہیں۔"

۲۔ اسلام نے بچیوں کی پرورش کو باعثِ اجر و ثواب قرار دے کر حوصلہ افزائی کی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک مؤمن بچیوں کی آمد پر رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا)) وَضَمَّ أَصَابِعَهُ[9]

"جس کسی نے جوان ہونے تک دو بچیوں کی پرورش کی' میں اور وہ قیامت کے دن اِن دو اُنگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے"۔ اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا۔

مزید ارشاد فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))[10]

"جس آدمی کو بچیاں دے کر آزمایا گیا پھر اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ

---

(۹) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة' باب فضل الاحسان الی البنات' ح۲۶۳۱۔

(۱۰) صحیح البخاری' کتاب الزکاة' باب اتقوا النار ولو بشق تمرٍ ح۱۳۵۲۔ و صحیح مسلم' کتاب البِرِّ وَالصِّلَة' باب فضل الاحسان الی البنات ح۲۶۲۹۔

لیا تو یہ بچیاں آگ اور اُس آدمی کے درمیان رکاوٹ بن جائیں گی۔"

اچھے برتاؤ کی بہترین تعبیر یہ ہے کہ نرینہ اولاد اور بچیوں کی ضروریات پورا کرنے میں کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ کھانا' پینا' پہننا اور رہنا سہنا سب یکساں اور برابر ہو۔ اسی ضمن میں تعلیم دینا' تربیتِ اخلاق کا خیال رکھنا اور مناسب ہنر سکھانا بھی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان کا بھی یہی مقصد ہے:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا (يَعْنِي الذُّكُوْرَ) اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ)) [11]

"جس کسی کی لڑکی ہو پھر وہ اسے نہ زندہ درگور کرے' نہ اس کی توہین کرے (لڑکی ہونے کے ناطے ہر وقت طعن و ملامت نہ کرے) اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دے' اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمادے گا۔"

بچیاں خواہ زیادہ ہوں یا دو تین' اجر بہت عظیم ہے' کیونکہ اصل مسئلہ جذبۂ صادق ہے نہ کہ کثرت و قلت! آپ ﷺ نے فرمایا :

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَاَطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [12]

"جس آدمی کی تین بچیاں ہوں اور وہ ان کا بہت خیال رکھے' اپنی کمائی

---

(۱۱) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فضل من عال یتیمًا ح ۵۱۴۶۔ سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اگر حدیث کو حوالہ ۹'۱۰'۱۲' میں مذکورہ احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو بات سمجھ آجاتی ہے اور دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ (ابو عبدالرحمن)

(۱۲) مسند امام احمد بن حنبل ج ۴' ص ۱۵۴۔ و سنن ابن ماجہ' کتاب الادب' باب بِرُّالوالدِ والاحسان الی البنات ح ۳۶۶۹۔ و مسند ابی یعلی الموصلی ۲۹۹/۳ ح ۱۷۶۴۔ حدیث صحیح ہے۔

سے انہیں کھلائے پلائے[1] اور لباس مہیا کرے تو وہ بچیاں قیامت کے دن آگ سے اس کے لیے تحفظ کا سامان بن جائیں گی۔"

اپنی بچیوں کی طرح اپنی بہنوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا اور ان کی کفالت کرنا بھی اجرِ عظیم کا ذریعہ ہے۔ حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ کَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلَاثُ اَخَوَاتٍ فَاتَّقَى اللّٰهَ وَاَقَامَ عَلَيْهِنَّ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا)) وَاَوْمَا بِالسَّبَّاحَةِ وَالْوُسْطٰى (۱۳)

"جس کسی کی تین بیٹیاں ہوں یا تین بہنیں ہوں' پھر وہ اللہ کا خوف کھا کر ان کی پرورش کرتا رہے وہ میرے ساتھ اس طرح جنت میں ہوگا"۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی اور شہادت والی دونوں انگلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

تین کی جگہ اگر دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں تب بھی یہی درجہ و مقام حاصل ہوگا۔ دوسری روایت میں حضرت اَنس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] "اپنی کمائی سے کھلائے پلائے" کا مقصد یہ ہے کہ نہ تو بچیوں کی دہائی دے کر لوگوں سے بھیک مانگ کر ان کی ضروریات پوری کرے اور نہ ہی کسی معاہدے کے تحت ان کے آئندہ ہونے والے سسرالی خاندان پر ان کی کفالت کا بوجھ ڈال دے' جیسا کہ بعض عرب قبائل میں قدیم زمانے میں رواج تھا' بلکہ آج بھی دنیا کے کئی علاقوں میں یہ رواج موجود ہے کہ جو خاندان کسی بچی کے رشتے کا طلبگار ہوتا ہے وہ اس بچی کے جوان ہونے تک کے مکمل اخراجات برداشت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں والدین کے لیے اجر و ثواب کا کوئی حصہ نہیں۔ (ابو عبدالرحمٰن)

(۱۳) مسند ابی یعلی الموصلی ۱۶۶/۶ ح ۳۴۴۸۔ محقق کتاب استاذ حسین سلیم اسد نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیز علامہ الالبانی نے بھی حدیث کو صحیح کہا ہے: سلسلة الاحادیث الصحیحه ۵۲۸/۱ ح ۲۹۵

((مَنْ عَالَ ابْنَتَيْنِ او ثَلَاثًا اَوْ اُخْتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰى يَبِنَّ اَوْ يَمُوْتَ عَنْهُنَّ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ)) وَاَشَارَ بِاِصْبِعِهِ الْوُسْطٰى وَالَّتِي تَلِيْهَا (۱۴)

"جس کسی نے دو یا تین بیٹیوں یا دو بہنوں کو پالا حتیٰ کہ ان کی شادی ہو گئی یا وہ خود اس دوران فوت ہو گیا میں اور وہ آدمی ان دو انگلیوں کی طرح جنت میں اکٹھے ہوں گے"۔ اور آپ ﷺ نے اپنی درمیانی اور ساتھ والی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔

اکثر و بیشتر انبیاء بچیوں ہی کے باپ تھے۔ اسی لیے امامِ اہلِ سُنّت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب بچی پیدا ہوتی تو فرماتے تھے:

"انبیاء بچیوں ہی کے باپ تھے۔"

نوٹ: اگر ہر گھر میں صرف لڑکے ہی پیدا ہوں تو معاشرتی نظام بُری طرح متأثر ہو جائے گا۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقاء و تحفظ مَرد و عورت کے وجود اور قانونی طریقے سے ملاپ میں مضمر ہے' لہٰذا جس مقدار میں لڑکوں کی ضرورت ہے اسی مقدار میں لڑکیوں کی بھی ضرورت ہے۔ امورِ خانہ داری' تربیتِ اولاد اور دیگر متعدد امور صرف عورت ہی بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔ لہٰذا بچیوں سے نفرت جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا و تقدیر سے بغاوت کا نام ہے وہاں معاشرے کو بھی تباہ کرنے کا موجب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جاہلیت کے ہر فتنے سے محفوظ رکھے۔ آمین!

---

(۱۴) صحیح ابن حبان "الاحسان" ۱۹۱/۲ کتاب البر والاحسان باب صلۃ الرحم وقطعھا' ح۴۴۷ ۔ ومسند احمد ۱۴۷/۳ و ۱۴۸۔ استاذ شعیب الارناووط نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے لڑکے عطا فرما دے' انہیں اِترانا یا تکبر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔

(الف) لڑکوں یا لڑکیوں کی آمد انسان کی اپنی پسند یا محنت کا نتیجہ نہیں' بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے :

﴿ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴾

(الشّوریٰ : ۴۹)

"(اللہ) جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔"

(ب) جو اَجر و ثواب بچیوں کی پرورش اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک میں ہے وہ لڑکوں کی پرورش میں نہیں' کیونکہ لڑکوں کی پرورش انسان اپنے مستقبل کی امید اور بڑھاپے کا سہارا سمجھ کر کرتا ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کی پرورش خالص اللہ کی رضا اور جنت کا ذریعہ سمجھ کر کی جانی چاہیئے۔

(ج) انسان جس طرح چاہے سوچتا رہے اور منصوبہ بناتا رہے' لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ لڑکیاں والدین کی زیادہ وفادار اور خدمت گزار ہوتی ہیں' جبکہ لڑکے (اِلّا ماشاء اللہ) بالعموم جب تک والدین کے زیرِ کفالت رہیں تو فرمانبردار ہوتے ہیں اور جب خود کفیل ہو جائیں تو خود سر اور نافرمان ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق کو سمجھ لینے کے بعد لڑکیوں سے نفرت اور لڑکوں کی پیدائش پر فخر کرنا چہ معنی دارد؟

مُبارک باد دینا

۱۔ جب کسی مسلمان کے ہاں بچے کی پیدائش ہو تو ہر مسلمان کو مبارک باد پیش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب (علیہما السلام) کی پیشگی خوشخبری سنائی۔ قرآن حکیم میں مذکور ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ○ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ ﴾ (هُود : ۶۹ - ۷۱)

”اور ابراہیمؑ کے پاس ہمارے فرشتے خوشخبری لیے ہوئے پہنچے، کہا تم پر سلام ہو۔ ابراہیمؑ نے جواب دیا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر کچھ دیر نہ گزری کہ ابراہیمؑ ایک بُھنا ہوا بچھڑا (ان کی ضیافت و مہمانی کے لیے) لے آیا۔ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں بڑھتے تو وہ ان سے مشتبہ ہو گیا اور دل میں ان سے خوف محسوس کرنے لگا۔ انہوں نے کہا: ”ڈرو نہیں، ہم تو لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں“۔ ابراہیمؑ کی بیوی بھی کھڑی ہوئی تھی، وہ سن کر ہنس دی، پھر ہم نے اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔“ (علیہم السلام)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت : ۱۰۱)

”چنانچہ ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری دی“ (ابراہیم علیہ السلام کو)

اللہ تعالیٰ نے خود حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری ان الفاظ میں دی:

﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝﴾ (مریم : ۷)

"اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔"

امرِ واقعہ یہی ہے کہ بشارت دینے سے ہر انسان کو خوشی ہوتی ہے' لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور اچھی خبر فوراً پہنچانی چاہئے۔

جب آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ابو لہب کی لونڈی نے اسے خوشخبری سنائی کہ "جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے" تو اس خوشی میں ابو لہب نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔

۲۔ اگر کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو خوشخبری اور بشارت نہ دے سکے تو کم از کم مبارک باد ضرور پیش کرے۔ اچھی خبر ابتداء میں سنانے اور بتانے کا نام بشارت ہے ـــــ اور اس کے معلوم ہو جانے کے بعد دعائے خیر و برکت کا نام "مبارک باد دینا" ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل واقعے پر غور فرمالیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کی جب توبہ قبول ہوئی تو ایک مسلمان نے جاکر انہیں خوشخبری سنائی ـــــ (یہ ہوا بشارت دینا) ـــــ اور جب حضرت کعبؓ یہ خوشخبری سن کر مسجد نبوی میں پہنچے تو باقی ساتھیوں نے انہیں مبارک باد پیش کی۔

عرب زمانۂ جاہلیت میں میاں بیوی کو اتفاق و اتحاد اور نرینہ اولاد کی دُعا اور

مبارک باد پیش کرتے تھے۔ لڑکی کے پیدا ہونے کی بجائے لڑکی کی وفات پر مبارک باد پیش کی جاتی تھی۔ یہ خالصتاً جہالت اور جاہلیت ہے۔ نرینہ اولاد اور لڑکیوں کی پیدائش دونوں صورتوں میں مبارک باد پیش کرنی چاہیے اور آنے والے فرد کے لیے برکت کی دُعا کرنی چاہیے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ تفصیلات "نام تجویز کرنا" کے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

نومولود کے کان میں اذان واقامت کا حکم

پیدائش کے بعد بچے کے کان میں اذان کہنی چاہیے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :

((رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحُسَیْنِ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ)) (۱۵)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت حسین کے کان میں اذان دیتے ہوئے دیکھا جب آپ (حسین) حضرت فاطمہ کی گود میں پہنچے" (رضی اللہ عنہما)

بچے کے کان میں اقامت (تکبیر) کہنے سے متعلق کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود

(۱۵) المستدرك للحاكم ج ۳ ص ۱۷۹۔ مسند احمد ج ۶ ص ۳۹۱۔ سنن ابوداؤد' كتاب الادب' باب فی الصبی يُولد فيؤذن فی اُذنه' ح ۵۱۰۵۔ سنن الترمذی' كتاب الاضاحی' باب الاذان فی اُذنِ المَولود' ح ۱۵۱۹۔ علامہ البانی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ تمام فقہاء ومحدثین کے نزدیک قابل عمل ہے۔

نہیں[۱۶] لہٰذا بچے کے کان میں اقامت کہنا شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔

امام ابنِ قیم رحمہ اللہ نے جو فلسفۂ اذان بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بچہ لاشعوری میں سب سے پہلے توحید' رسالت اور نماز کی بات سنتا ہے تو یہ گویا ایک طرح کی تلقین ہو جاتی ہے' جس طرح دنیا سے الوداع ہونے والے کو کلمۂ شہادت کی تلقین کی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ ان الفاظ سے انسان کے دل پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ الفاظِ اذان سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور اس طرح شیطان کے شر سے بچے کی حفاظت کا انتظام ہو جاتا ہے۔

---

(۱۶) اس مسئلہ پر دو حدیثیں موجود ہیں جن کو امام ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے نقل کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان دونوں کی وضاحت یوں ہے۔

پہلی حدیث : ((مَنْ وُلِدَلَهٗ مَوْلُوْدٌ فَاَذَّنَ فِی اُذُنِهِ الْيُمْنٰى وَاَقَامَ فِی اُذُنِهِ الْيُسْرٰى لَمْ تَضُرُّهٗ اُمُّ الصِّبْيَانِ)) "جس کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوا' پھر اس نے اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی تو اس بچے کو "اُم الصبیان" کی بیماری نقصان نہیں دیتی۔"

اس حدیث کو ابن السنی نے روایت کیا ہے۔ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے' لہٰذا اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ ملاحظہ ہو عمل الیوم واللیلة ص ۲۲۰ ح ۶۲۳

دوسری حدیث : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِی اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ يَوْمَ وُلِدَ وَاَقَامَ فِی اُذُنِهِ الْيُسْرٰى "جس روز حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی۔"

اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ۶/ ۳۹۰' ح ۸۶۲۰۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے' اس کو دلیل بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا نومولود کے کان میں اقامت کہنے کا حکم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا —— واللہ اعلم بالصواب

(ابو عبد الرحمٰن)

گُھٹّی دینا

ہر پیدا ہونے والے کو کسی میٹھی چیز سے گھٹی دی جانی چاہئے اور اگر کوئی صاحبِ علم و تقویٰ گھٹی دے کر برکت کی دُعا کر دے تو بہت بہتر ہے۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

وُلِدَ لِیْ غُلَامٌ فَاَتَیْتُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ' فَسَمَّاهُ اِبْرَاهِیْمَ وَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ (۱۷)

"میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم تجویز فرمایا اور کھجور سے گھٹی دی۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:

وَدَعَالَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ اِلَیَّ وَكَانَ اَكْبَرَ وَلَدِ اَبِیْ مُوْسٰی (۱۸)

"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے لیے برکت کی دُعا فرمائی اور مجھے واپس کر دیا۔" (راوی بیان کرتا ہے کہ) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ سب سے پہلا بچہ تھا۔"

حضرت اَنس' حضرت ابو طلحہ (رضی اللہ عنہما) کے بچے کی پیدائش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

---

(۱۷) صحیح البخاری' کتاب العقیقة' باب تسمیة المولود غداة یُولد وتحنیكه' ح ۵۱۵۰۔ صحیح مسلم' کتاب الاداب' باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته وحمله الی صالح یُحنِكه وجواز تسمیة یوم ولادته' ح ۲۱۴۵

(۱۸) صحیح البخاری حواله سابقه

فَقَالَ لِیْ اَبُوْ طَلْحَةَ : اِحْمِلْهُ ' حَتّٰی تَاْتِیَ بِهِ النَّبِیَّ وَبَعَثَ بِهٖ بِتَمَرَاتٍ ' فَاَخَذَهُ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ : ((اَمَعَهُ شَیْءٌ؟)) قَالُوْا : نَعَمْ تَمَرَاتٌ ' فَاَخَذَهَا النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ ' فَمَضَغَهَا ثُمَّ اَخَذَهَا مِنْ فِیْهِ ' فَجَعَلَهَا فِیْ فِیِّ الصَّبِیِّ ' ثُمَّ حَنَّکَهُ وَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ)) (۱۹)

"اس موقع پر ابو طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے مجھ سے کہا: اِسے اٹھالو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ' اور اس کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیج دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اٹھالیا اور دریافت فرمایا: "کیا اس کے ساتھ کوئی چیز بھی لائے ہو؟" عرض کیا: "جی ہاں' کچھ کھجوریں ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کو چبایا اور اپنے دہن مبارک سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیں اور عبداللہ نام تجویز فرمایا۔"

---

(۱۹) صحیح البخاری' کتاب العقیقة' باب تسمیة المولود غداة یولد..... الخ ح۵۱۵۲۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب' باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته..... ح۲۱۴۴

نوٹ : اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نومولود کو گھٹی دینی چاہیے۔ اگر کھجور میسر ہو تو بہت بہتر ہے' ورنہ جو بھی میٹھی چیز دستیاب ہو جائے' گھٹی دینے والا اس چیز کو خوب چبائے حتیٰ کہ وہ اس قابل ہو جائے کہ نومولود اسے نگل سکے۔ گھٹی دینے والا نیک آدمی ہونا چاہیے اور اگر نیک آدمی موجود نہ ہو تو بچہ اس کی خدمت میں لے جایا جائے' جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے —— اس حدیث کی روشنی میں یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ بچے کو پیدائش کے فوراً بعد گھر سے باہر نکالا جا سکتا ہے اور جو لوگ چالیس روز تک بچے کو گھر سے نکالنا غلط سمجھتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا نہ کرتے' اور اگر لاعلمی کی بناء پر ایسا کر بیٹھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور راہنمائی فرماتے۔ جب بچے کو گھر سے نکالنے پر پابندی لگانے والی کوئی حدیث نہیں ہے تو اسے باہر لانا صحیح اور جائز ہے۔ (مرتب غفراللہ لہ)

عقیقہ کرنا

۱۔ تمام محدثین، فقہائے اُمت اور اہلِ سُنّت کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ عقیقہ کرنا سُنّتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ فَاهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَاَمِيطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى)) [20]

"لڑکے کا عقیقہ کرو۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دُور کرو۔" (سر کے بال صاف کرو)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُمْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ [21]

"رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔"

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُعُقَّ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً وَعَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ [22]

---

(۲۰) صحیح البخاری، کتاب العقیقۃ، باب اماطۃ الاذیٰ عن الصبی، ح ۵۱۵۴۔ و مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۸/۱۷۔ و سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، باب فی العقیقۃ، ح ۲۸۳۹

(۲۱) مسند امام احمد ج ۶ ص ۳۱۔ سنن الترمذی، کتاب الاضاحی، باب ماجاء فی العقیقۃ ح ۱۵۱۳۔ وسنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب العقیقۃ ح ۳۱۶۳، حدیث صحیح ہے۔

(۲۲) مسند امام احمد ج ۶ ص ۱۵۸۔ سنن الترمذی، کتاب الاضاحی، =

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور لڑکے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ دیں۔"

مذکورہ بالا حدیثوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عقیقہ کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے لہٰذا عقیقہ کرنا واجب ہے، لیکن حقیقتاً یہ سُنّتِ مؤکدہ ہے، کیونکہ کوئی حکم اُس وقت فرض یا واجب کہلاتا ہے جب اس کو چھوڑنے والے کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سزا مقرر کی گئی ہو ــــ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ اور یہ بات بہت واضح ہے کہ عقیقہ نہ کرنے والے کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے ــــ یا کوئی حکم اُس وقت فرض یا واجب کا درجہ اختیار کرلیتا ہے جب اسے بلاعذر چھوڑنے کی کسی کو اجازت نہ ہو۔ جب کہ عقیقہ کے بارے میں آپ ﷺ نے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔

جیساکہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہے:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْ وَلَدِهِ فَلْيَفْعَلْ)) (۲۳)

"جس کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اگر وہ اپنے بچے کا عقیقہ کرنا چاہے تو کرلے۔"

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ)) (۲۴)

= باب ماجاء فی العقیقۃ۔ حدیث صحیح ہے ــــ نوٹ: ترمذی کی روایت میں "اَمَرَنَا" کی بجائے لفظ "اَمَرَهُمْ" ہے (مسلمانوں کو حکم دیا)

(۲۳) موطا امام مالك، کتاب العقیقة۔ حدیث حسن ہے۔

(۲۴) سنن النسائی، کتاب العقیقة، ح ۴۲۲۳۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، باب فی العقیقة، ح ۲۸۴۳۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۱۹۴۔ =

"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پھر وہ اس کا عقیقہ دینا پسند کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔"

لہٰذا عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ جو یہ عمل کرے گا یقیناً اجر پائے گا۔ جیسا کہ جمعہ کے دن کا غسل' قربانی' فطرانہ ــــ البتہ عقیقہ کرنا کس قدر اہمیت و فضیلت رکھتا ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ)) (۲۵)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔"

اِس حدیث کی وضاحت امامِ اہلِ سُنّت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اِن الفاظ میں بیان فرمائی:

هٰذَا فِي الشَّفَاعَةِ يُرِيْدُ اَنَّهُ اِذَا لَمْ يُعَقَّ عَنْهُ فَمَاتَ طِفْلاً لَمْ يَشْفَعْ فِي اَبَوَيْهِ (۲۶)

"اس کا تعلق شفاعت سے ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر نومولود بچپن میں ہی مرگیا تو اس صورت میں اپنے والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا جب کہ اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو۔"

عقیقہ کی اہمیت و فضیلت بہت واضح ہے لیکن اس کے باوجود اسے نماز' روزہ کی طرح فرض یا واجب نہیں قرار دیا جا سکتا ــــ بلکہ سُنّتِ مؤکدہ ہے اور یہی

= علامہ البانی نے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع ح ۶۶۳۰

(۲۵) سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب في العقيقة' ح ۲۸۳۷ و ۲۸۳۸۔ مسند امام احمد ج ۵ ص ۷۔ حدیث صحیح ہے۔ سنن النسائی' کتاب العقیقة' باب متی یعق؟ ح ۴۲۲۱

(۲۶) فتح الباری' ج ۱' ص ۵۹۴' طبع سلفیہ

جمہور اُمت کی رائے ہے۔

۲۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے' جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہے اور درج ذیل حدیث میں بھی یہ حکم موجود ہے۔ بکریاں خواہ نر ہوں یا مادہ' حکم برابر ہے۔

عَنْ اُمِّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ : ((عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْاُنْثٰى وَاحِدَةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا)) (۲۷)

"حضرت اُم کرز الکعبیہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح ہو گی)۔ بکریاں نر ہوں یا مادہ اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔"

۳۔ بکری (نر یا مادہ) کے مفہوم میں اس کے قریب تر جانور بھی شامل ہیں' جیسا کہ مینڈھا' دنبہ' چھترا وغیرہ' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے مینڈھے کا عقیقہ کیا تھا۔

((عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا بِكَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ)) (۲۸)

"حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف

---

(۲۷) مسند امام احمد' ج ۶' ص ۳۸۱۔ سنن الترمذی' کتاب الاضاحی' باب الاذان فی اذن المولود' ح ۱۵۱۶۔ سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب فی العقیقة ح ۲۸۳۵۔ حدیث صحیح ہے۔

(۲۸) سنن النسائی' کتاب العقیقة' باب العقیقة عن الغلام ح ۴۲۳۰۔ حدیث صحیح ہے۔

سے دو دو مینڈھے بطور عقیقہ ذبح فرمائے۔"

۴۔ عقیقہ کے دونوں جانور ایک جیسے ہونے چاہئیں، یعنی جنس، قد اور عمر کے لحاظ سے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((فِي الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِأَتَانِ وَفِي الْجَارِيَةِ شَاةٌ)) (۲۹)

"لڑکے کی طرف سے دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔"

۵۔ عقیقہ صرف بکری یا اس کے مشابہ جانوروں کا ہونا چاہئے، جیسا کہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ گائے یا اونٹ سے متعلق کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود نہیں۔ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (عقیقہ کیلئے) اُونٹ ذبح کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے "معاذ اللہ" (پناہ رب کی) کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو:

نُفِّسَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ غُلَامٌ فَقِيْلَ لِعَائِشَةَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ! عُقِّي عَنْهُ جَزُوْرًا، فَقَالَتْ: مَعَاذَ اللّٰهِ! وَلٰكِنْ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ((شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ)) (۳۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (آپؓ عبدالرحمٰن کی بہن اور بچے کی پھوپھی ہیں) سے کہا گیا کہ اونٹ کا

---

(۲۹) سنن ابی داؤد، کتاب الاضاحی، باب فی العقیقۃ، ح ۲۸۳۴۔ جبکہ ح ۲۸۳۶ میں "مثلان" کا لفظ ہے۔ وسنن النسائی باب العقیقۃ عن الغلام ح ۴۲۲۶ و ۴۲۲۷۔ و سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب العقیقۃ، ح ۳۱۶۲۔ حدیث صحیح ہے۔

(۳۰) السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۰۱/۹، کتاب الضحایا، باب ما یعق عن الغلام۔ و شرح مشکل الآثار للطحاوی ۶۸/۳، ح ۱۰۴۲ تحقیق شعیب الارناووط۔ حدیث حسن ہے۔

عقیقہ کرلیں۔ انہوں نے کہا: معاذ اللہ! (اللہ کی پناہ) اس کی بجائے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو ایک جیسی بکریاں۔"

اسی مفہوم کی حدیث مستدرک امام حاکم میں بھی موجود ہے۔ (۳۱)

بعض روایات میں ملتا ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بچے کی پیدائش پر اونٹ ذبح کیے ہیں' لیکن دو اسباب کی وجہ سے یہ بات شرعی حکم نہیں بن سکتی:

(الف) اُس صحابیؓ کو متعلقہ حدیث کی خبر نہ ہو گی۔

(ب) رسول اللہ ﷺ کے حکم کی موجودگی میں کسی صحابی کا قول یا فعل کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

۶۔ ساتویں روز عقیقہ کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اور عمل اس کی بہترین دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ' تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُحلَقُ رَأْسُهُ وَيُسَمّٰى)) (۳۲)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ سے منسلک ہے (بندھا ہوا ہے)۔ ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے' اس کا سر مونڈا جائے اور نام تجویز کیا جائے۔"

اگر کسی وجہ سے عقیقہ ساتویں روز نہ کیا جا سکے تو چودھویں یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْعَقِيقَةُ تُذْبَحُ لِسَبْعٍ وَلِأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَلِأَحَدٍ وَعِشْرِيْنَ)) (۳۳)

---

(۳۱) المستدرك للامام الحاكم' كتاب الذبائح' باب طريق العقيقة وايامها ۲۳۸/۴۔ امام حاکم نے حدیث کو صحیح کہا ہے اور امام الذہبی نے تائید کی ہے۔

(۳۲) سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب فی العقیقة۔ سنن الترمذی' كتاب الاضاحی' باب ماجاء فی العقیقة' ح ۱۵۲۲۔ سنن النسائی' كتاب العقيقة' باب متی یعق' ح ۴۲۳۱۔ حدیث صحیح ہے۔

"عقیقہ ساتویں دن کیا جائے' یا چودھویں دن یا پھر اکیسویں دن۔"

البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق چودھویں یا اکیسویں دن اُس صورت میں کیا جاسکتا ہے جب ساتویں دن میسر نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے الفاظ یوں ہیں:

وَلْيَكُنْ ذَاكَ يَوْمَ السَّابِعِ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَفِيْ اَرْبَعَةَ عَشَرَ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَفِيْ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ (۳۴)

"عقیقہ ساتویں روز ہونا چاہئے' اگر میسر نہ ہو تو چودھویں دن اور اگر پھر بھی میسر نہ ہو تو اکیسویں روز۔"

لہذا ثابت ہوا کہ ساتویں روز عقیقہ کرنا افضل ہے اور چودھویں یا اکیسویں روز کرنا جائز اور صحیح' بشرطیکہ کوئی عذر یا مجبوری ہو۔

۷۔ عقیقہ کے جانور کی عمر کے بارے میں کوئی حدیث معلوم نہیں ہو سکی' لہذا کوئی عمر مقرر کرنا ممکن نہیں۔ البتہ محدثین اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی عمر اور دیگر شرطیں قربانی کے جانور سے قریب تر ہونی چاہئیں۔ واضح رہے کہ بکری (نر' مادہ) کی عمر ایک سال' بھیڑ' دُنبہ کی عمر چھ

---

(۳۳) سنن البیہقی ج ۹' ص ۳۰۳' کتاب الضحایا' باب ماجاء فی وقت العقیقۃ۔ ظاہر روایت کے اعتبار سے حدیث ضعیف ہے۔ لیکن المستدرک للحاکم میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فتوے کی روشنی میں قابل عمل بن جاتی ہے کیونکہ کوئی صحابی احکامِ شریعت میں اس وقت فتویٰ دیتا ہے جب اس کے پاس کوئی صحیح دلیل ہوتی ہے۔ امام الترمذی نے حدیث ۱۵۲۲ کے بعد لکھا ہے کہ مستحب یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں روز کیا جائے اور اگر میسر نہ ہو تو چودھویں روز' ورنہ پھر اکیسویں روز۔ اور یہی اہلِ علم کا فتویٰ ہے۔

(۳۴) المستدرک للحاکم' کتاب الذبائح' باب طریق العقیقۃ وایامہا ۲۳۸/۴۔ سند صحیح ہے۔

ماہ (نر، مادہ) اور اس میں کوئی نمایاں عیب بھی نہ ہو، اہل علم کے ہاں زیادہ لاغری بھی عیب شمار ہوتی ہے۔

۸۔ عقیقہ کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے اور پکا کر بھی کھلایا جا سکتا ہے، کیونکہ دونوں شکلوں میں سے کوئی شکل حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا کسی ایک طریقے کو دوسرے سے بہتر قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں —— دونوں شکلیں صحیح اور جائز ہیں۔ البتہ اپنی سہولت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ... ﴾

(البقرۃ : ۱۸۵)

"اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا..."

۹۔ عقیقہ کا گوشت کس حساب سے تقسیم کیا جائے، اس سلسلے میں کوئی حدیث یا کسی صحابی کا قول نہیں مل سکا۔ چونکہ عقیقہ کا معاملہ قربانی سے قریب تر ہے لہٰذا قربانی کے گوشت پر قیاس مناسب ہے۔

قربانی کے گوشت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا وَادَّخِرُوْا)) (۳۵)

"کھاؤ، زادِ راہ بناؤ اور ذخیرہ کرلو۔"

دوسری جگہ فرمایا : ((وَتَصَدَّقُوْا)) (۳۶) "اور صدقہ کرو۔"

---

(۳۵) صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، باب مایوکل من لحوم الاضاحی، ح ۵۲۴۹۔ "تَزَوَّدُوْا" کی بجائے "اَطْعِمُوْا" (کھلاؤ) کا لفظ ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النھی... ح ۱۹۷۲

(۳۶) صحیح مسلم، ح ۱۹۷۱

ایک جگہ فرمایا : ((وَاَطْعِمُوا))[۳۷] "اور دوسروں کو کھلاؤ۔"

ایک جگہ فرمایا : ((وَائْتَجِرُوا))[۳۸] "اور اجر و ثواب کماؤ۔"

اِن احادیث کو سامنے رکھ کر اہل علم نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ ایک تہائی گھر میں کھایا جائے' ایک تہائی رشتہ داروں اور دوستوں کو دیا جائے' اور ایک تہائی فقراء میں تقسیم کر دیا جائے ــــــ اور یہی بات زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ اسی شکل میں تمام حدیثوں پر عمل ممکن ہے۔

۱۰۔ دایہ کو خصوصی طور پر گوشت کا کچھ حصہ دینا چاہیے' بلکہ ایک مکمل ٹانگ دینی چاہیے' جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمان سے واضح ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُمْ : ((اَنْ يَبْعَثُوا اِلَى الْقَابِلَةِ بِرِجْلٍ مِنَ الْعَقِيْقَةِ))[۳۹]

"نبی اکرم ﷺ نے انہیں (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ کو) حکم

---

(۳۷) صحیح مسلم' کتاب الاضاحی' باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی' ح ۱۹۷۳۔ سنن الترمذی' کتاب الاضاحی' باب ماجاء فی الرخصۃ فی اکلھا بعد ثلاث' ح ۱۵۱۰

(۳۸) سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب حبس لحوم الاضاحی ح ۲۸۱۳

(۳۹) سنن البیھقی' ج ۹ ص ۳۰۴۔ حدیث ضعیف ہے۔ اسی معنی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل بھی سنن بیہقی میں موجود ہے۔ بہرحال حدیث ضعیف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اگر دایہ پیشہ ور ہو تو اس اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اپنی خدمت کا صلہ نقد وصول کرلے گی اور اگر دایہ نے یہ خدمت بطور تعاون دی ہے تو پھر ضرور اس کے لیے گوشت میں اضافہ ہونا چاہیے جو ایک ٹانگ کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ کوئی آدمی دایہ کو گوشت کی ٹانگ دے یا نہ دے اس کی مرضی ہے کیونکہ حدیث علمی اصولوں سے ثابت نہیں۔ (ابو عبدالرحمٰن)

دیا کہ "عقیقہ کے گوشت کی ایک ٹانگ دایہ کو بھیج دو۔"

۱۱۔ امامِ اہلِ سُنّت حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر والد کے پاس اتنی گنجائش نہ ہو جس سے عقیقہ کر سکے تو کیا کرے؟ امام صاحب نے فرمایا:

"اِنِ اسْتَقْرَضَ رَجَوْتُ اَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَحْيَا سُنَّةً" (۴۰)

"اگر قرض لے کر بھی کر لے تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کا سامان پیدا فرما دیں گے کیونکہ اس نے ایک سنت زندہ کی ہے۔"

عقیقہ ذبح کرنے کی دُعا:

۱۲۔ عقیقہ ذبح کرتے وقت جانور پر بچے کا نام لے اور مندرجہ ذیل دُعا پڑھے:

"بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ لَكَ وَاِلَيْكَ، هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ فُلَانٍ...."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۴۰) تحفۃ المودود ص ۶۷ طبع دار الریان مصر۔

نوٹ: بظاہر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قرض لے کر عقیقہ کرنے کا فتویٰ نہیں دیا لیکن حوصلہ افزائی ضرور کی ہے کہ والد یہ کام قرض لے کر بھی انجام دے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ کیا عقیقہ حج یا زکوٰۃ سے بڑھ کر فرض ہے جس کی خاطر اتنا اہتمام ضروری ہو؟ جب کہ اگر استطاعت نہ ہو تو حج اور زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہوتے جو کہ قطعی اور واضح دلائل سے ثابت ہیں، لہٰذا عقیقہ کی خاطر قرض لینا چہ معنی دارد؟ واضح رہے کہ عقیقہ فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے جس کا پوری تفصیل سے مسئلہ نمبر ۱ "عقیقہ کرنا" کے بیان میں تذکرہ ہو چکا ہے —— چنانچہ امام موصوف کا قول قابل لحاظ نہیں ہے، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ سنتوں کا درجہ واجبات سے بڑھ سکتا ہے اور یہ عقلاً بعید ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس استطاعت ہو تو عقیقہ ضرور کرے، یقیناً کارِ ثواب ہے، ورنہ قرض لے کر تکلف کی کوشش نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ۲۸۶) "اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔" (مرتب غفر اللہ لہ، ولوالدیہ ولاساتذتہ)

((اِذْبَحُوا عَلَى اسْمِهٖ فَقُوْلُوا : بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ لَكَ وَاِلَيْكَ، هٰذِهٖ عَقِيقَةُ فُلَانٍ)) (۴۱)

"(جانور پر) بچے کا نام لے کر اسے ذبح کرو اور کہو: اللہ کے نام پر، اے اللہ! یہ تیرا مال ہے اور تیری خدمت میں حاضر ہے۔ یہ فلاں (اس بچے کا نام لیا جائے) کا عقیقہ ہے۔"

صرف ذہن میں نیت کر لینی بھی کفایت کرے گی، لیکن اصل سنت اس دُعا کو زبان سے ادا کرنا ہے ـــــ اور ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۱۳۔ محدثین کی اکثریت اور فقہاءِ اُمت اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ قربانی اور عقیقہ کے اَحکام یکساں ہیں لہٰذا عقیقہ کے معاملے میں جہاں کوئی حکم براہِ راست سُنّتِ نبویؐ سے ثابت نہ ہو تو اَحکامِ قربانی پر قیاس کر لیا جائے۔ عقیقہ کے جانور کی کھال کا مسئلہ براہِ راست سُنّتِ نبویؐ سے دستیاب نہیں ہو سکا۔ لہٰذا قربانی کی کھالوں کی طرح عقیقہ کی کھال کو بھی صدقہ کر دیا جائے۔ قربانی کے گوشت، کھالوں اور دیگر متعلقہ سامان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی بیان کرتے ہیں کہ:

اَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا" (۴۲)

---

(۴۱) مسند ابی یعلی الموصلی ۸/۱۷ و ۱۸، ح ۴۵۲۱۔ محقق کتاب حسین سلیم اسد نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ والسنن الکبری للبیھقی ۹/ ۳۰۳، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی وقت العقیقۃ۔ و مصنف عبدالرزاق ۴/ ۳۳۰، کتاب العقیقۃ، باب العقیقۃ ح ۷۹۶۳

(۴۲) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب یتصدق بجلود الھدی =

"نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کے (ذبح شدہ) اونٹوں کے پاس کھڑا ہو کر گوشت' چمڑے اور دیگر متعلقہ سامان کو صدقہ کردوں۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ قربانی اور عقیقہ کے جانور کی کھال صدقہ کی جائے گی۔

۱۴۔ اگر کسی وجہ سے کسی انسان کا بچپن میں عقیقہ نہ ہوا ہو تو وہ بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کر سکتا ہے' جیسا کہ روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بالغ ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهٖ بَعْدَ مَا بُعِثَ بِالنُّبُوَّةِ (۴۳)

"کہ نبی کریم ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔"

رسول اللہ ﷺ نے خود تو اپنا عقیقہ کیا لیکن کسی بالغ صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم نہیں دیا کہ وہ بھی اپنا عقیقہ کرے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ ایسا کرنا جائز اور صحیح تو ہے لیکن سُنّتِ مؤکدہ یا فرض واجب نہیں' ورنہ آپ ﷺ اسلام قبول کرنے والے تمام صحابہ کو حکم دیتے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا اپنا عقیقہ بھی کریں۔

ح ۱۶۳۰' ۱۶۳۱۔ صحیح مسلم' کتاب الحج' باب فی الصدقة بلحوم الهدی وجلودها وجلالها' ح ۱۳۱۷۔ سنن ابی داوٗد' کتاب المناسك' باب کیف تنحر البُدن ح ۱۷۶۹

(۴۳) مصنف عبدالرزاق ۳۲۹/۴ کتاب العقیقة' باب العقیقه' ح ۷۹۶۰۔ وکشف الاستار عن زوائد البزار' باب قضاء العقیقة' ۷۴/۲ ح ۱۲۳۷۔ والمعجم الاوسط للطبرانی ۵۲۹/۱ ح ۹۹۸ امام ہیثمی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد ۹۴/۴ ح ۶۲۰۲

سر مونڈنا

۱۔ ساتویں روز نومولود کا سر مونڈنا چاہئے۔ مندرجہ ذیل حدیث اس مسئلے کی بہترین دلیل ہے:

((كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَومَ السَّابِعِ وَيُحَلَّقُ رَأْسُهُ وَيُسَمَّى)) (۴۴)

"ہر بچہ اپنے عقیقہ سے وابستہ ہے[1] ساتویں روز اس کے نام سے عقیقہ کیا جائے گا' اس کا سر مونڈا جائے گا اور نام تجویز کیا جائے گا۔"

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان بالوں کو "اَذٰی" سے تعبیر کر کے صاف کرنے کا حکم دیا ہے' فرمایا:

((وَاَمِيطُوا عَنْهُ الْاَذٰى)) (۴۵)

"اور اس نومولود سے "اذیٰ" (تکلیف) کو دور کرو۔"

متعدد اہل علم نے "اذیٰ" سے مراد بال لیے ہیں۔

۲۔ نومولود کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۴۴) سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب العقیقة ح ۲۸۳۷ و ۲۸۳۸۔ سنن الترمذی' کتاب الاضاحی' باب ماجاء فی العقیقة' ح ۱۵۲۲۔ حدیث صحیح ہے۔

[1] بچے کا عقیقہ سے وابستہ ہونے کا مفہوم امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مسئلہ نمبر ا "عقیقہ کرنے کا بیان"

(۴۵) صحیح البخاری' کتاب العقیقة' باب اماطة الاذی عن الصبی فی العقیقة' ح ۵۱۵۴

((يَا فَاطِمَةُ! اِحْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً))
فَوَزَنَتْهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ (۴۶)

"اے فاطمہ! اس کا سر مونڈ دو اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کر دو" —— جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا درہم سے کچھ کم نکلا۔

---

(۴۶) سنن الترمذی' کتاب الاضاحی' باب ما جاء فی العقیقة بشاةٍ' ح ۱۵۱۹ —— امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کر کے سند کے بارے میں ان الفاظ میں حکم بیان کیا ہے: ھذا حدیث حسن غریب و اسنادہ لیس بمتصل (یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے)

اس حدیث کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہو جاتی ہے:

ا۔ موطا امام مالك' کتاب العقیقة' باب العمل فی العقیقة لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث تمام محدثین اور اکثر فقہاء کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی سند منقطع بھی ہے۔ (چنانچہ حدیث ضعیف ہے۔)

ب۔ مراسیل ابو داؤد ۱/۲۷۹ ح ۳۸۰۔ سند مرسل ہے۔ (لہٰذا ضعیف ہے)

ج۔ سنن البیھقی' کتاب الضحایا' باب ما جاء فی التصدق بزنة شعرہ فضة' ج ۹' ص ۳۰۴۔ اس کی سند منقطع ہے۔ (لہٰذا ضعیف ہے)

د۔ المستدرك للحاكم' کتاب الذبائح' باب عق النبی صلی اللہ علیہ وسلم...الخ' ج ۳ ص ۲۳۷۔ سند ضعیف ہے۔

اس موضوع پر جس قدر احادیث ذخیرۂ حدیث میں مل سکی ہیں' سب پر کسی نہ کسی وجہ سے اعتراض موجود ہے۔ اس سب کے باوجود امام ترمذی اور بعض دیگر محدثین نے مذکورہ بالا شواہد و قرائن کی بناء پر حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۴ طبع ملتان۔ جامع الاصول ج ۷ ص ۵۰۵' تحقیق الاستاذ عبد القادر الارناووط' تحفة الودود باحکام المولود' تالیف امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ تحقیق و تخریج دکتور عبد الغفار سلیمان البنداری ص ۹۰ طبع دار الریان القاہرہ (مصر)

محدث العصر الاستاذ محمد ناصر الدین الالبانی بارك اللّٰہ فی عمرہ وجھودہ نے تمام=

نام تجویز کرنا

۱۔ نومولود کا نام سات دن کے اندر اندر تجویز کر دینا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ولادت کے روز بھی نام تجویز فرمایا ہے' لیکن زیادہ سے زیادہ سات دن کی مہلت دی ہے ـــــ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((وُلِدَلِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ)) (۴۷)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آج رات میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے' میں نے اپنے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اس کا نام رکھ دیا ہے۔"

دوسری روایت میں ہے:

عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الاَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَاَتَيْتُ

= سندوں کا تفصیلی جائزہ لے کر بالآخر حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور یہی رائے صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل ج ۴ ص ۴۰۲ تا ۴۰۶' حدیث ۱۱۷۵' طبع المکتب الاسلامی بیروت

لہٰذا اگر استطاعت ہو تو صدقہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

نوٹ: حدیث مذکورہ کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ ہر بچے کے بال ایک درہم برابر ہی ہوں گے' بلکہ کم و بیش کی گنجائش اور امکان موجود ہے' لہٰذا ہر بچے کے بال علیحدہ سے وزن کر کے اس کے برابر چاندی یا اس کے مساوی قیمت صدقہ کیا جائے۔

(۴۷) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال و تواضعه وفضل ذلك ح ۲۳۱۵۔ وسنن ابی داؤد' کتاب الجنائز' باب البکاء علی المیت ح ۳۱۲۶

بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَسَمَّاهُ اِبْرَاهِيْمَ [۴۸]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے بچے کا نام ابراہیم تجویز فرمایا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو گھٹی دیتے ہوئے اس کا نام عبداللہ [۴۹] تجویز فرمایا۔ ظاہر ہے کہ گھٹی پہلے دن ہی دی جاتی ہے۔ ہاں ساتویں روز نام رکھنے کی احادیث بھی موجود ہیں۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِتَسْمِيَةِ الْمَوْلُوْدِ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَوَضْعِ الْاَذٰى عَنْهُ وَالْعَقِّ [۵۰]

"رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ: ساتویں روز بچے کا نام رکھ دیا جائے' اس کے بال اتروا دیئے جائیں اور اس کا عقیقہ کر دیا جائے۔"

۲۔ بچے کا نام ظاہری اور معنوی لحاظ سے شرعی تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۴۸) صحیح البخاری' کتاب العقیقة' باب تسمیة المولود......الخ' ح ۵۱۵۰۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب' باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته' ح ۲۱۴۵

(۴۹) بخاری و مسلم کے حوالے سے مکمل حدیث "گھٹی دینے" کے عنوان کے تحت ذکر ہو چکی ہے۔ الفاظ حدیث اور ترجمہ وہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۵۰) سنن الترمذی' کتاب الادب' باب ما جاء فی تعجیل اسم المولود وحسنه' ح ۲۸۳۲۔ اسی معنی کی حدیث سنن ابی داؤد اور سنن النسائی نے بھی ذکر کی ہے۔ ملاحظہ ہو عنوان "عقیقہ کرنا" حوالہ نمبر ۳۲۔ حدیث صحیح ہے۔

((اَحَبُّ اَسْمَاءِ کُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ))[۵۱]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"

جس طرح عبداللہ اور عبدالرحمٰن بہترین نام ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ساتھ "عبد"[۵۲] کے اضافے سے نام رکھنا بھی بہترین نام ہے۔

"اللہ" اور "الرحمٰن" اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ہیں' باقی سارے صفاتی نام ہیں۔

صفاتی ناموں کی تفصیل درج ذیل ہے:

الرَّحِیم' المَلِک' القُدُّوس' السَّلام' المُؤْمِن' المُھَیْمِن'
العَزِیز' الجَبَّار' المُتَکَبِّر' الخَالِق' البَارِیُٔ' المُصَوِّر' الغَفَّار'
القَھَّار' الوَھَّاب' الرَّزَّاق' الفَتَّاح' العَلِیم' القَابِض' البَاسِط'
الخَافِض' الرَّافِع' المُعِزُّ' المُذِلُّ' السَّمِیع' البَصِیر' الحَکَم'
العَدل' اللَّطِیف' الخَبِیر' الحَلِیم' العَظِیم' الغَفُور'
الشَّکُور' العَلِیُّ' الکَبِیر' الحَفِیظ' المُقِیت' الحَسِیب'
الجَلِیل' الکَرِیم' الرَّقِیب' المُجِیب' الوَاسِع' الحَکِیم'
الوَدُود' المَجِید' البَاعِث' الشَّھِید' الحَقُّ' الوَکِیل' القَوِیُّ'
المَتِین' الوَلِیُّ' الحَمِید' المُحصِی' المُبدِیُٔ' المُعِید'
المُحیِی' المُمِیت' الحَیُّ' القَیُّوم' الوَاجِد' المَاجِد'
الوَاحِد' الاَحَد' الصَّمَد' القَادِر' المُقتَدِر' المُقَدِّم'

---

(۵۱) صحیح مسلم' کتاب الآداب' بیان ما یُستَحَبُّ من الاسماء' ح ۲۱۳۲۔ و سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب فی تغییر الاسماء' ح ۴۹۴۹

(۵۲) اس موضوع پر اہل علم کی تفصیلی رائے معلوم کرنی ہو تو ملاحظہ فرمائیں: جامع الاصول لاحادیث الرسول ج ۱' ص ۳۵۸' حاشیہ پر۔ (نوٹ: واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں "الستار" نہیں ہے' لہٰذا عبدالستار نام رکھنا صحیح نہیں۔)

المُؤَخِّر' الاَوَّل' الاٰخِر' الظَّاهِر' البَاطِن' الوَالِی' المُتَعَال'
البَرُّ' التَّوَّاب' المُنتَقِم' العَفُوُّ' الرَّءُ وف' مَالِكُ المُلْكِ'
ذُوالْجَلاَلِ وَالاِکرام' المُقْسِطُ' الجَامِع' الغَنِیُّ' المُغنِی'
المُعطِی' المَانِع' النَّافِع' الضَّارُّ' النُّور' الهَادِی' البَدِیع'
البَاقِی' الوَارِث' الرَّشِید' الصَّبُور [ل]

۳۔ قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ سے ثابت انبیاء علیہم السلام کے نام بھی رکھے جا سکتے ہیں ـــــ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَسَمُّوا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ)) [(۵۳)]

[ل] پورے کے پورے نام امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب سنن الترمذی میں نقل کیے ہیں' ملاحظہ ہو کتاب الدعوات' باب ۸۳' ح ۳۵۰۷۔ والسنن الکبریٰ للامام النسائی ۴/ ۳۹۳ – ۴۲۰ کتاب النعوت' ح ۷۶۵۹ – ۷۷۶۹۔ اکثر ناموں کو مختلف حدیثوں کے حوالے سے جمع کیا ہے۔

(۵۳) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب تغییر الاسماء' ح ۴۹۵۰۔ سنن النسائی' کتاب الخیل والسبق والرمی' باب ما یستحب من شیئة الخیل' ح ۳۵۶۷۔ اگرچہ حدیث کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن مندرجہ ذیل قرائن و شواہد کی بنا پر قابل اطمینان اور قابل حجت بن جاتی ہے:

(الف) رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کے نام انبیاء علیہم السلام کے نام پر تجویز فرمائے ہیں' جیسا کہ یوسف بن عبد اللہ بن السلامؓ کا نام۔ ملاحظہ ہو: الادب المفرد للامام البخاری' ص ۲۹۱ ح ۸۳۸۔ و مسند احمد ۴/ ۳۵۔ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے: فتح الباری' ج ۱۰' ص ۵۷۸ طبع سلفیہ

(ب) رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند کا نام ابراہیم تجویز فرمایا۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم' کتاب الفضائل' ح ۲۳۱۵ و سنن ابی داؤد' ح ۳۱۲۶۔ دونوں حوالے قریب میں گزرے ہیں۔

(ج) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے فرزند کا نام بھی آپ ﷺ نے ابراہیم رکھا: بخاری و مسلم۔ حوالہ گزر چکا ہے' دیکھیے عنوان "گھٹی دینا" اسی کتاب میں۔ =

"انبیاء کرام کے ناموں کے مطابق نام تجویز کرو۔"

لائق صد احترام، حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے مندرجہ ذیل قرآن حکیم سے ثابت ہیں:

۱۔ آدم ۲۔ ادریس ۳۔ نوح ۴۔ ہود ۵۔ صالح ۶۔ ابراہیم ۷۔ لوط
۸۔ اسماعیل ۹۔ اسحاق ۱۰۔ یعقوب ۱۱۔ یوسف ۱۲۔ شعیب ۱۳۔ ایوب
۱۴۔ ذوالکفل ۱۵۔ موسیٰ ۱۶۔ ہارون ۱۷۔ داؤد ۱۸۔ سلیمان ۱۹۔ الیاس
(دوسرا نام الیاسین) ۲۰۔ الیسع ۲۱۔ یونس ۲۲۔ زکریا ۲۳۔ یحییٰ
۲۴۔ عیسیٰ ۲۵۔ محمد (دوسرا نام احمد)

صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہم اجمعین

۴۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بھی بچوں کے لیے تجویز کئے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس نام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل نہ کیا ہو یا بدلنے کا مشورہ نہ دیا ہو ——— مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، بلال، انس، ابو ہریرہ، عبداللہ
عورتوں میں عائشہ، رقیہ، فاطمہ، سمیہ، زینب، جمیلہ

۵۔ اس کے علاوہ ہر وہ نام رکھنا صحیح ہے جو "منع ناموں" کی فہرست میں نہ آتا ہو اور اس میں اچھے معنی پائے جائیں ——— جیسے اکرم، انور، سرور، اقبال، حامد،

= (د) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "سَمُّوا بِاسْمِی" یعنی میرے نام پر بچوں کے نام تجویز کرو: صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من سمی باسماء الانبیاء، ح ۵۸۴۴۔ صحیح مسلم، کتاب الاداب، باب بیان ما یستحب من الاسماء، ح ۲۱۳۱

(ہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَمُّوْنَ بِاَنْبِیَائِھِمْ وَالصَّالِحِیْنَ قَبْلَھُمْ "وہ لوگ انبیاء کرام اور زمانہ ماضی کے نیک لوگوں کے نام پر بچوں کے نام رکھتے تھے"۔ صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب النھی عن التکنی بابی القاسم، ح ۲۱۳۵

حمید وغیرہ

۶۔ مندرجہ ذیل قسم کے نام رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

ا۔ جن ناموں سے شرکیہ مفہوم واضح ہو۔ مثلاً عبدالعزیٰ' عبدالکعبہ' عبدالعلی' عبدالرسول' عبدالنبی' عبدالحسین' نبی بخش' پیراں دِتّہ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے نام تبدیل کردیئے تھے:

وَفَدَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَوْمٌ فَسَمِعَهُمْ يُسَمُّونَ عَبْدَالْحَجَرِ' فَقَالَ لَهُ: ((مَا اسْمُكَ؟)) فَقَالَ: عَبْدُالْحَجَرِ' فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ: ((اِنَّمَا اَنْتَ عَبْدُاللّٰهِ)) (۵۴)

"نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے سنا کہ وہ کسی کو "عبدالحجر" کے نام سے پکار رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے متعلقہ آدمی سے دریافت فرمایا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: "عبدالحجر" (پتھر کا بندہ) آپ ﷺ نے فرمایا: "اب سے تمہارا نام عبداللہ ہے۔"

۲۔ جو نام صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدّس کے لیے مخصوص ہوں اور صرف اُسی ذات کو زیبا ہوں۔ مثلاً ملک الملوک' سلطان السّلاطین' شاہنشاہ' Lord' Chief' احکم الحاکمین' امیرالامراء' قاضی القضاۃ اور حاکم الحکام وغیرہ وغیرہ۔ اس بات کی دلیل آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان سے واضح ہے:

((اِنَّ اَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمّٰى مَلِكُ الْاَمْلَاكِ)) (۵۵)

---

(۵۴) مصنف ابن ابی شیبہ ۵/ ۲۶۳' کتاب الادب' باب فی تغییر الاسماء' ح ۲۵۸۹۲۔ والادب المفرد للامام البخاری' ص ۲۸۲' ح ۸۱۱

(۵۵) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب ما ابغض الاسماء الی اللہ تعالٰی ح ۵۸۵۲' ۵۸۵۳۔ وصحیح مسلم' کتاب الادب' باب تحریم=

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین نام اس آدمی کا ہے جو اپنا نام "ملک الاملاک" رکھتا ہے۔"

اسی طرح صفاتِ باری تعالیٰ عَبد یا عُبید کی اضافت کے بغیر کسی کا نام نہیں بن سکتیں۔ چنانچہ کسی کا نام صمد، اَحد، خالق، رازق وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ اس بات کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔ حضرت شریح اپنے والد جناب حضرت ہانی رضی اللہ عنہ کے سفرِ مدینہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

اِنَّهٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ مَعَ قَوْمِهٖ، سَمِعَهُمْ یَکْنُوْنَهٗ بِاَبِی الْحَکَمِ، فَدَعَاهُ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ: ((اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَکَمُ وَاِلَیْهِ الْحُکْمُ، فَلِمَ تُکْنٰی اَبَا الْحَکَمِ؟)) فَقَالَ: اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ، فَحَکَمْتُ بَیْنَهُمْ، فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((مَا اَحْسَنَ هٰذَا! فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ؟)) قَالَ: لِیْ شُرَیْحٌ وَمُسْلِمَةُ وَعَبْدُ اللّٰهِ۔ قَالَ: ((فَمَنْ اَکْبَرُهُم؟)) قُلْتُ: شُرَیْحٌ، قَالَ: ((فَاَنْتَ اَبُو شُرَیْحٍ)) (۵۶)

"جب وہ (میرے والد ماجد ہانی رضی اللہ عنہ) اپنی قوم کے ہمراہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے سنا کہ وفد والے

= التسمی بملك الملوك، ح ۲۱۴۳

(۵۶) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسم القبیح، ح ۴۹۵۵۔ سنن النسائی، کتاب القضاۃ، باب اذا حکموا رجلاً فقضی بینھم، ح ۵۴۰۲۔ حدیث صحیح ہے۔ امام بخاری نے بھی "الادب المفرد" ص ۲۸۲ ح ۸۱۱ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

انہیں "ابو الحکم" کے نام سے پکار رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں (ابو الحکم ہانی کو) بلا کر پوچھا: "اللہ کی ذات ہی حکم ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، پھر تمہاری کنیت ابو الحکم کیوں ہے؟" تب انہوں نے کہا:

"حقیقت یہ ہے کہ میری قوم میں جب کوئی اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں، میں جو فیصلہ کر دوں اس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ تو بہت اچھی بات ہے، تمہارے بچوں کے کیا نام ہیں؟" انہوں نے کہا: "شریح، مُسلمہ اور عبداللہ میرے بچوں کے نام ہیں"۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ "ان میں بڑا کون ہے؟" میں نے کہا: "شریح" آپ ﷺ نے فرمایا: "تو تمہاری کنیت "ابو شریح" ہے۔"

جس طرح صفاتِ باری تعالیٰ کسی کا نام نہیں بن سکتیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص اَلقاب کسی دوسرے کے لیے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا "سیّد الناس" (سارے لوگوں کا سردار) "سیّدِ وُلدِ آدم" (انسانیت کا سردار) "سیّد الکُل" (سب کا سردار) آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے علاوہ کسی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشاد کا مفہوم یہی ہے:

((اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ)) (۵۷)

"ساری انسانیت کا سرتاج و سردار میں ہوں۔"

۳۔ ایسے نام جن سے خودستائی کا پہلو نکلتا ہو یا ذاتی خوبی کا اظہار ہوتا ہو۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا تُسَمِّیَنَّ غُلَامَكَ یَسَارًا، وَلَا رَبَاحًا وَلَا نَجِیحًا وَلَا

(۵۷) صحیح البخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللّٰہ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ.....الخ، ح ۳۱۶۲۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اھل الجنۃ منزلۃ فیھا، ح ۱۹۴

اَفْلَحَ)) (۵۸)

"تم ہر گز اپنے بچے کا یہ نام تجویز نہ کرنا : یسار' رباح' نجیح' افلح۔[1]"

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "نافع" نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام تبدیل کر دیئے تھے :

اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِي سَلِمَةَ كَانَ اسْمُهَا "بَرَّةً" فَقِيْلَ تُزَكِّي نَفْسَهَا' فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَيْنَبَ (۵۹)

"حضرت زینب بنت ابی سلمہ[2] کا نام "برہ" تھا (بہت زیادہ نیکی والی)۔ اعتراض ہوا کہ یہ خود اپنی تعریف کرتی ہے' تو آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر "زینب" رکھ دیا۔

۴۔ جن ناموں سے کوئی اچھا شگون نہ لیا جاتا ہو' آپ ﷺ نے انہیں بھی بدل دیا ــــ لہٰذا ایسے نام نہ رکھے جائیں۔

---

(۵۸) صحیح مسلم' کتاب الاداب' باب کراھیة التسمیة بالاسماء القبیحة' ح ۲۱۳۷۔ وسنن الترمذی' ح ۲۸۳۶

[1] یسار : آسانی میں رہنے والا یا امیر آدمی' رباح: ہمیشہ فائدے میں رہنے والا' نجیح: پختہ رائے رکھنے والا' افلح: سب سے زیادہ کامیاب یا ہمیشہ رہنے والا' نافع: فائدے میں رہنے والا۔

(۵۹) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب تحویل الاسم الی اسم احسن منه۔ صحیح مسلم' کتاب الاداب' باب استحباب تغییر الاسم القبیح الی حسن' ح ۲۱۴۱۔

[2] صحیح مسلم کی دوسری روایت کے مطابق زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے۔

اَنَّ رَجُلاً كَانَ اسْمُهُ "اَصْرَم" وَكَانَ فِي نَفَرٍ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ: ((مَااسْمُكَ؟)) قَالَ: "اَصْرَمُ" قَالَ: ((بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ)) (٦٠)

"ایک آدمی کا نام "اَصرم" تھا' وہ ایک وفد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا "اَصرم" (کٹا ہوا) آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں' بلکہ تمہارا نام "زُرعہ" ہے (ترو تازہ کھیتی کی طرح)۔"

حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ مشہور فقیہ تابعی اپنے دادا کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

اَنَّ جَدَّهُ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِي ﷺ فَقَالَ: ((مَا اسْمُكَ؟)) قَال: "اِسْمِي حَزْنٌ" قَالَ: ((بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ)) قَالَ: "مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اسْمًا سَمَّانِيهِ اَبِي" قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: فَمَا زَالَتْ فِينَا الْحَزُونَةُ بَعْدُ (٦١)

"میرے دادا "حزن" نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ ﷺ نے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟" اُس نے کہا: "میرا نام "حَزن" (غم) ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلکہ تم سہل ہو (نرم خو' میٹھی طبیعت والے)"۔ اُس نے کہا: "میں اپنے والد کا رکھا ہوا نام تبدیل کرنے والا

---

(٦٠) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب تغییر الاسم القبیح' ح ۴۹۵۴۔ حدیث صحیح ہے۔

(٦١) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب تحویل الاسم الی اسم احسن منہ' ح ۵۸۳۶ و ۵۸۴۰۔ سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب تغییر الاسم القبیح' ح ۴۹۵۶

نہیں ہوں"۔ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اُس وقت سے لے کر ہمارے ہاں غم اور سختی ہی رہی ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيَّرَ اسْمَ عَاصِيَةَ وَقَالَ: ((اَنْتِ جَمِيلَةٌ)) (٦٢)

"رسول اللہ ﷺ نے عاصیہ کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔"

حضور اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل نام تبدیل کر دیئے تھے:

العاص (نافرمان)۔ عزیز (ایسا غالب جس پر کوئی غلبہ نہ حاصل کر سکے)۔ عَتَلَة (سخت مزاج) شیطان۔ الحکم (فیصلہ کرنے والا)۔ غراب (کوا)۔ حُباب (شرارتی سانپ)۔ شہاب (دہکتا ہوا شعلہ جسے شیطان کو پیچھے سے مارا جاتا ہے)۔ حَرب (جنگ)۔ المُضطَجِع (لیٹا ہوا) سے بدل کر المُنبَعِث (اٹھنے والا) رکھ دیا۔ ایک جگہ کو عِفْرَة (بے آباد) کہا جاتا تھا' آپ ﷺ نے اس کا نام بدل کر خِضرَة (سرسبز و شاداب) رکھ دیا۔ شِعبُ الضَّلالة (گمراہی کی گھاٹی) کا نام بدل کر شِعبُ الھُدٰی (ہدایت کی گھاٹی) رکھ دیا۔ بنی الزنیہ (اولادِ زنا) کا نام بدل کر بنی رِشدہ (صحیح نکاح کی اولاد) رکھا۔ بنی مُغویہ (اِغوا شدہ عورت کی اولاد) سے بدل کر بنی رِشدہ (صحیح نکاح کی اولاد) رکھا۔

یہ تمام نام سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فی تغییر الاسم القبیح میں درج ہیں۔ امام ابو داوٗد رحمتہ اللہ علیہ نے کہا: "میں نے سندیں اختصار کے پیش نظر حذف کر دی ہیں۔"

---

(٦٢) صحیح مسلم' کتاب الآداب' باب استحباب تغییر الاسم القبیح الٰی حسن' ح ٢١٣٩

مزاجِ شریعت اور معیارِ انسانیت کو اگر سامنے رکھا جائے تو یقیناً ایسے ناموں کو بدل دینا ہی اولیٰ وافضل ہے' لٰہذا ایسے ناموں سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ شیطان' فرعون' ہامان' قارون' پرویز اور ایسے ہی بدنامِ زمانہ ناموں سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے' کیونکہ ایسے غلط نام بری شہرت کا سبب بنتے ہیں۔

۷۔ اگر کسی کا نام غلط رکھ دیا گیا ہو تو اسے بدلا بھی جا سکتا ہے بلکہ بدل دینا چاہیئے' جیسا کہ مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں کسی بات کو خواہ مخواہ عذر نہیں بنا دینا چاہیئے اور نہ ہی والدین کے رکھے ہوئے غلط نام پر اس قدر ضد کرنی چاہیئے کہ دین کے احکام دھرے کے دھرے رہ جائیں اور مسلمان اپنی رائے بدلنے کو تیار نہ ہو۔

۸۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ بات باعثِ اختلاف رہی ہے کہ "ابوالقاسم" کنیت[1] رکھنا صحیح ہے یا کہ نہیں۔ جو بات دلائل کی روشنی میں دل کو اطمینان بخشتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد "ابوالقاسم" کنیت رکھی جا سکتی ہے۔ اس سارے اختلاف کا سبب مندرجہ ذیل حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((تَسَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ)) (۶۳)

"میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔"

---

[1] "کنیت" سے مراد کسی انسان کا وہ تعارف یا شہرت ہے جو اس کی اولاد کی طرف منسوب ہو' جیسے ابوعبدالرحمٰن (عبدالرحمٰن کے والد) اُمِ عبدالرحمٰن (عبدالرحمٰن کی ماں)

(۶۳) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب قول النبی ﷺ سموا باسمی.....الخ' ح ۵۸۳۳ و ۵۸۳۴۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب' باب النھی عن التکنی بابی القاسم' ح ۲۱۳۱

اس بات سے روکنے کا سبب بھی حدیث میں موجود ہے:

نَادٰی رَجُلٌ رَجُلاً بِالْبَقِیعِ یَا اَبَا الْقَاسِمِ ' فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ' فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّی لَمْ اَعْنِكَ ' اِنَّمَا دَعَوْتُ فُلاَنًا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((تَسَمُّوا بِاسْمِیْ وَلاَ تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ)) (٦٤)

"کسی آدمی نے دوسرے کو بقیع کے مقام پر ابا القاسم کہہ کر آواز دی ' رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو آواز دینے والے نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! میں نے آپ کو نہیں بلایا ' میں نے تو فلاں کو آواز دی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے نام پر نام تو رکھ لیا کرو البتہ میری کنیت نہ اختیار کرو۔"

تو گویا کنیت سے منع کرنے کا مقصد اس اشتباہ سے بچنے کے لیے تھا اور اس بات کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل فرمان ہے:

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ وُلِدَ لِیْ بَعْدَكَ وَلَدٌ اُسَمِّیْهِ بِاسْمِكَ وَاُکَنِّیْهِ بِکُنْیَتِكَ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) (٦٥)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

---

(٦٤) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب کنیة النبی ﷺ ح ٣٥٣٤' ٣٥٣٥۔ صحیح مسلم' کتاب الآداب' باب النہی عن التکنی بابی القاسم' ح ٢١٣١

(٦٥) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب الرخصة فی الجمع بینهما' ح ٤٩٦٧۔ سنن الترمذی' کتاب الاستیذان' باب ما جا فی کراهیة الجمع' ح ٣٠١٢۔ سند صحیح ہے۔

دریافت کیا: "آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو تو میں اس کا نام آپ کے نام پر رکھوں اور آپ والی کنیت رکھ لوں؟"
تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں رکھ سکتے ہو۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ والی کنیت اختیار کرنے میں کوئی حرج یا ممانعت نہیں ہے ــــ آپ ﷺ والا نام محمد یا احمد رکھنے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا ــــ اور نہ ہے۔

۹۔ بچے کا نام اگر والدین کی باہم مرضی سے طے ہو جائے تو بہت بہتر ہے ورنہ نام رکھنے کا حق والد کا ہے' کیونکہ بچے کی نسبت ہمیشہ والد کی طرف ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب: ۵)

"بچوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔ اللہ کے ہاں یہی زیادہ منصفانہ بات ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"آج رات میرے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام اپنے ابا حضرت ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔"(٦٦)

۱۰۔ بچوں کو نازیبا القاب اور ناموں سے نہیں پکارنا چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ﴾ (الحجرات: ۱۱)

"اور ایک دوسرے کو بُرے القاب سے مت پکارو۔"

---

(٦٦) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمته ﷺ بالصبیان والعیال...الخ ح۲۳۱۵

ختنہ کرنا

۱۔ روایات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ختنہ کیا تھا۔ مشہور تابعی اور فقیہ حضرت سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ:

"كَانَ اِبْرَاهِيْمُ اَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَ اَوَّلَ النَّاسِ اِخْتَتَنَ" (۶۷)

"لوگوں میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے مہمان کی مہمانداری کی اور سب سے پہلے انہوں نے ختنہ کیا۔"

بظاہر یہ ایک تابعی کا قول ہے' حدیث نہیں ہے' لیکن صحیح حدیثوں میں اس کے صحیح ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِيْمُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً)) (۶۸)

"حضرت ابراہیم نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ختنہ کرنے کا حکم اسلام میں پہلے سے موجود ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس عمر میں پہنچ کر نہ ختنہ کرتے ــــــ بلکہ پہلے سے ہو جاتا یا کر لیتے۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہی کیا ہے اور یہ ملتِ ابراہیمی کا حصہ ہے۔

---

(۶۷) موطا امام مالک' کتاب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب السُّنة فی الفطرة' ۹۲۲/۲

(۶۸) صحیح البخاری' کتاب الاستئذان' باب الختان بعد الکبر' ح ۵۹۴۰۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب من فضائل ابراهیم علیه السلام' ح ۲۳۷۰

۲۔ اسلام نے ختنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے۔ بعض فقہاء نے اسے واجب سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نے "سُنّتِ مؤکدہ" قرار دیا ہے۔ نتیجہ بہرحال ایک ہے کہ ختنہ کرنا بہت ضروری ہے' نہ کرنے والا گنہگار ہو گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : الْخِتَانُ' وَالْاِستِحْدَادُ' وَقَصُّ الشَّارِبِ' وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ' وَنَتْفُ الْاِبِطِ)) (۶۹)

"پانچ کام فطرتِ انسانی کا حصہ ہیں: ختنہ کرنا' زیر ناف بال صاف کرنا' مونچھیں کاٹنا' ناخن کاٹنا' بغلوں کے بال صاف کرنا۔"

ایک آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا:

((اَلْقِ عَنْكَ شَعْرَ الْكُفْرِ وَاخْتَتِنْ)) (۷۰)

"حالتِ کفر والے بال اتار دو اور ختنہ کروا لو۔"

اگر ختنہ کرنا معمولی مسئلہ ہوتا تو نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسّی سال کی عمر میں ختنہ کرتے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ اُس آدمی کو حکم دیتے۔ ختنہ کروانا کس قدر اہمیت رکھتا ہے رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان سے واضح ہے:

((اَنَّ الْاَقْلَفَ لَا يُتْرَكُ فِي الْاِسْلَامِ حَتّٰى يَخْتَتِنَ وَلَوْ بَلَغَ ثَمَانِيْنَ سَنَةً)) (۷۱)

---

(۶۹) صحیح البخاری' کتاب الاستئذان' باب الختان بعد الکبر' ح ۵۹۳۹۔ صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب خصال الفطرۃ' ح ۲۵۷

(۷۰) سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب فی الرجل یسلم فیؤمر بالغسل' ح ۳۵۶۔ سنن البیھقی' کتاب الاشربۃ' باب ماورد فی الختان' ۸/ ۳۲۳۔ حدیث حسن ہے۔

"بے ختنہ آدمی کو اسلام میں برداشت نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ختنہ کروا لے' خواہ اس کی عمر اَسی سال ہو۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ختنے کے مسئلے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے واضح ہے' فرماتے ہیں:

"اَلْاَقْلَفُ لَا تُقْبَلُ لَهٗ صَلَاةٌ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيْحَتُهٗ" (٧٢)

"بے ختنہ آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی' اور نہ ہی اس کے ہاتھ کا ذبح شدہ جانور کھایا جائے گا۔"

دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "وَلَا يَجُوْزُلَهٗ شَهَادَةٌ" "اس کی گواہی جائز نہیں ہے" یعنی قابل قبول نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بے ختنہ آدمی طہارت نہیں کر سکتا اور جب طہارت نہیں کر سکتا تو نماز نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا طہارت بنانے اور نماز ادا کرنے کے لیے بھی ختنہ بہت ضروری ہے ـــــ اور یہ قاعدہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جس کام کے بغیر کوئی فرض ادا نہ ہوتا ہو وہ کام کرنا خود فرض ہو جاتا ہے۔ اہل علم اسے "شرط" کا نام دیتے ہیں۔ لہٰذا نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو کے صحیح ہونے کے لیے ختنہ شرط ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جدید طبّی تحقیقات کے مطابق "بے ختنہ" آدمی کو پیشاب کی جگہ پر سرطان کا مرض لاحق ہو جاتا ہے' جو کہ مہلک بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

(٧١) سنن البیهقی' ج٨' ص٣٢٤' کتاب الاشربة' باب ما ورد فی الختان۔ کنزالعمال' ح ٤٥٣١٠

(٧٢) تحفة الودود باحکام المولود لابن قیم الجوزیه ص١٤٨' طبع الریان۔ مصر

﴿لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ...﴾ (البقرۃ: ۱۹۵)

"اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو..."

لہٰذا اس موذی و مہلک بیماری سے بچنے کے لیے بھی ختنہ بہت ضروری ہے۔ جو عیسائی کل تک ختنہ کروانے پر مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے آج جدید تحقیقات آنے پر دھڑا دھڑ خود ختنہ کروا رہے ہیں۔

۳۔ بچے کا ختنہ ابتدائی عمر میں کر دینا چاہیئے بلکہ اگر ساتویں روز کر دیا جائے تو مزید بہتر ہے۔ اس سے ایک تو بچے کو تکلیف نہیں ہو گی کیونکہ اس کا جسم انتہائی نرم ہوتا ہے اور زخم بھی جلد صحیح ہو جاتا ہے۔ دوسرا اس لیے کہ ساتویں روز ختنہ کرنا سُنّت ہے۔ اس سلسلے کی دو حدیثیں ذخیرۂ حدیث میں دستیاب ہو سکی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

(ا) "عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَخَتَنَهُمَا لِسَبْعَةِ اَيَّامٍ" (۷۳)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین کا عقیقہ کیا اور ساتویں روز ان دونوں کا ختنہ کروایا۔"

(ب) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: "سَبْعَةٌ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّبِيِّ يَوْمَ السَّابِعِ: يُسَمّٰى وَيُخْتَنُ ... الخ" (۷۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: "ساتویں روز بچے کے

---

(۷۳) المعجم الصغیر للطبرانی، ص ۳۲۳، ح ۸۷۴ و مجمع الزوائد للهیثمی ۵۹/۴، ح ۶۲۰۰۔ وسنن البیهقی، ج ۸، ص ۳۲۴، کتاب الاشربة باب ماورد فی الختان

(۷۴) المعجم الاوسط للطبرانی ۳۳۴/۱ ح ۵۶۲۔ امام ہیثمی نے حدیث کو صحیح کہا ہے، مجمع الزوائد ۵۹/۴ ح ۶۲۰۴

معاملے میں سات کام مسنون ہیں : نام رکھنا' ختنہ کرنا . . . الخ"

ساتویں روز ختنہ ہو جائے تو بہت بہتر' ورنہ سات سال کی عمر سے پہلے پہلے ضرور کردیا جائے ورنہ والدین کو گناہ ہو گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مُرُوا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) (۷۵)

"سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم دو' اور جب دس سال کے ہو جائیں (اور نہ پڑھیں) تو انہیں مارو۔ اور ان کے بستر بھی علیحدہ علیحدہ کردو۔"

ظاہر ہے جب سات سال کی عمر میں بچے کو نماز کا حکم دیا جائے گا تو جو جو کام نماز کے لیے ضروری ہیں ان کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ لہٰذا سات سال کی عمر سے پہلے پہلے بچے کا ختنہ کرنا ضروری ہے' ورنہ وضو ہو گا نہ نماز ہو گی۔

۴۔ اگر کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرتا ہے' یا جہالت یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے ختنہ نہیں ہو سکا تو اسے بھی ختنہ کروالینا چاہیے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے واضح ہے "حالتِ کفر والے بال اتار دو اور ختنہ کرلو۔" حدیث پوری تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

---

(۷۵) سنن ابی داؤد' كتاب الصلاة' باب متى يُؤمر الغلام بالصلاة۔ المستدرك للحاكم' كتاب الصلاة' باب امر الصبيان بالصلاة لسبع سنين ۱/۱۹۷۔ مسند امام احمد' ج ۲' ص ۱۸۰ و ۱۸۷' ح ۶۶۸۹ و ۶۷۵۶۔ حدیث صحیح ہے۔

بچوں کے پیشاب کا حکم

جب تک لڑکا صرف دودھ یا مشروبات (Liquid) پر گزارا کرتا ہو اور وہ کسی چیز پر، کپڑے پر، یا انسان پر پیشاب کر دے تو اسے دھونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہو گا ـــــ اس بات کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَجْلَسَهُ فِيْ حِجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ [۷۶]

"حضرت اُم قیس بن محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ اپنا چھوٹا بچہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔ بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا اور دھویا نہیں۔"

البتہ اگر لڑکی پیشاب کر دے تو اسے دھونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَوْلُ الغُلَامِ الرَّضِيْعِ يُنْضَحُ وَبَوْلُ الجَارِيَةِ يُغْسَلُ)) [۷۷]

---

(۷۶) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، ح۲۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب حکم الطفل الرضیع و کیفیۃ غسلہ، ح۲۸۷

(۷۷) مسند احمد ۷۶/۱ ح ۵۶۳ و ۱۳۷/۱ ح ۱۱۴۸ و ۱۱۴۹ شرح احمد=

"دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب پر صرف پانی چھڑک دینا (کافی) ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔"

ایک دوسری حدیث میں اس مسئلے کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے:

عَنْ اَبِی السَّمْحِ قَالَ : كُنْتُ خَادِمَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِیْءَ بِالْحَسَنِ اَوِ الْحُسَيْنِ فَبَالَ عَلٰی صَدْرِهٖ فَاَرَادُوْا اَنْ يَغْسِلُوْهُ فَقَالَ : ((رُشُّوْهُ رَشًّا فَاِنَّهٗ يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ بَوْلُ الْغُلَامِ)) (۷۸)

"حضرت ابوالسمح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدمتگار تھا۔ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کو لایا گیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاتی پر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام نے چاہا کہ اسے دھو دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بس پانی چھڑک دو' لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔"

مندرجہ بالا احادیث سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ اگر دودھ پیتا لڑکا پیشاب کر دے تو صرف پانی چھڑک دینا کافی ہے اور اگر لڑکی پیشاب کر دے تو دھونا ضروری ہے۔

بسا اوقات بچے کا پیشاب یا پاخانہ کپڑے پر لگ جاتا ہے اور دھونے کے باوجود نشان باقی رہتا ہے' دیکھنے والے کو مغالطہ ہوتا ہے کہ شاید کپڑا پاک نہیں

= شاکر۔ سنن الترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماذکر فی نضح بول الغلام الرضیع' ح ۶۱۰۔ حدیث صحیح ہے۔

(۷۸) المستدرك للحاکم' کتاب الطھارۃ' باب ینضح بول الغلام ویغسل بول الجاریۃ ۱/۱۶۶۔ سنن ابی داؤد' کتاب الطھارۃ' باب بول الصبی یصیب الثوب ح ۳۷۶۔ سنن ابن ماجہ' کتاب الطھارۃ وسننھا' باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم۔ حدیث صحیح ہے۔

ہوا' حالانکہ وہ کپڑا پاک ہو چکا ہوتا ہے' کیونکہ ناپاکی کو دھونا ضروری ہے' نشان ختم کرنا ضروری نہیں ـــــ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ)) (۷۹)

"جب مَیں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جس قدر تم کر سکتے ہو وہ کرلو۔"

ظاہر ہے کہ ناپاکی تو دھوئی جا سکتی ہے نشان نہیں مٹایا جا سکتا۔ لہٰذا نشان معاف ہے۔ اسی مسئلے کی دوسری دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

اَنَّ خَوْلَةَ بِنْتِ يَسَار اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَيْسَ لِيْ اِلاَّ ثَوبٌ وَاحِدٌ وَاَنَا اَحِيْضُ فِيهِ فَكَيْفَ اَصْنَعُ؟ قَالَ : ((اِذَا طَهُرْتِ فَاغْسِلِيْهِ ثُمَّ صَلِّيْ فِيْهِ))' فَقَالَتْ : فَاِنْ لَّمْ يَخْرُجِ الدَّمُ؟ قَالَ : ((يَكْفِيْكَ غَسْلُ الدَّمِ وَلاَ يَضُرُّكِ اَثَرُهُ)) (۸۰)

"خولہ بنت یسار نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہے' حیض کے دن بھی اسی میں گزارتی ہوں تو میں کیسے کیا کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "پاک ہونے کے بعد اسے دھو لیا کرو' پھر اسی میں نماز پڑھ لیا کرو"۔ اس خاتون نے پوچھا: "اگرچہ خون کا نشان باقی رہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "خون کو دھو دیا کرو اور اس کے نشان سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔"

چنانچہ واضح ہوا کہ نشان باقی رہنے کے باوجود بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

---

(۷۹) صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ح ۷۲۸۸۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب اتباعه صلی اللہ علیه وسلم ح ۱۳۳۷

(۸۰) سنن ابی داؤد' کتاب الطهارة' باب المرءة تغسل ثوبها الذی=

بچے کو اُٹھا کر نماز ادا کرنا

دورانِ نماز بچوں کو کندھے یا گردن پر اٹھانا جائز اور صحیح ہے:

عَنْ اَبِی قَتَادَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ كَانَ يُصَلِّی وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السلامُ وَهِیَ لِاَبِی الْعَاصِ ابْنِ الرَّبِيعِ' فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَاِذَا قَامَ حَمَلَهَا (۸۱)

"حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی "اُمامہ" کو اٹھا کر نماز پڑھی جو کہ آپؐ کی بیٹی زینبؓ اور ابو العاص کی نورِ نظر تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو اسے (زمین پر) بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو دوبارہ اٹھا لیتے۔"

[بعض] لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نفل نماز میں کیا ہے' [حا]لانکہ وہ نفل نماز نہ تھی بلکہ فرض نماز تھی اور باجماعت تھی' جیسا کہ ابوداؤد [کی] روایت سے ظاہر ہے:

بَيْنَمَا نَحْنُ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الظُّهْرِ اَوِ الْعَصْرِ (۸۲)

= تلبسه فی حیضها ح ۳۶۵۔ سنن البیهقی ۲/۴۰۸' کتاب الصلاة' باب ان الدم اذا بقی اثره فی الثوب...الخ۔ حدیث صحیح ہے۔

(۸۱) صحیح البخاری' کتاب سترة المصلی' باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلاة' ح ۴۹۴۔ صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز حمل الصبیان فی الصلاة' ح ۵۴۳

(۸۲) سنن ابی داؤد' کتاب الاستفتاح فی الصلاة' باب العمل فی الصلاة' ح ۹۲۰

"ہم ظہر یا عصر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے۔"

دوسری روایت میں ہے:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتَ اَبِی العاص وَھِیَ ابْنَةُ زَیْنَبَ بِنْتِ النَّبِیِّ عَلٰی عَاتِقِهٖ ' فَاِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَهَا (۸۳)

"میں نے نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی امامت کرواتے ہوئے دیکھا۔ امامہ (ابو العاص اور زینب بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی) آپؐ کے کندھوں پر تھی۔ جب آپ ﷺ رکوع کرتے تو اسے بٹھا دیتے اور جب سجدوں سے اٹھتے تو اسے واپس اسی جگہ پر رکھ لیتے۔"

ان تین واضح اور تفصیلی حدیثوں کے بعد مسئلے میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ان حدیثوں کو منسوخ کرنے والی بھی کوئی حدیث موجود نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی خود دورانِ نماز بچے کو اٹھالے یا بچہ از خود آ کر نماز پڑھنے والے پر چڑھ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ عام طور پر ماؤں کو یہ صورت حال درپیش ہوتی رہتی ہے' لہٰذا پریشان ہونے یا وسوسہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

---

(۸۳) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ' ح ۵۴۳۔ سنن ابی داؤد' کتاب الصلاۃ' باب العمل فی الصلاۃ ح ۹۱۷' ۹۱۸' ۹۱۹۔ سنن النسائی' کتاب السھو' باب حمل الصبیان فی الصلاۃ ووضعھن فی الصلاۃ ح ۱۲۰۳' ۱۲۰۴۔ حدیث بالکل صحیح ہے

بچوں سے محبت کرنا

نرمی، شفقت، پیار اور عمدہ سلوک اسلامی معاشرے کی عظیم خوبی ہے۔ ہر انسان اس کا حقدار ہے اور یہ ہر انسان پر دوسرے کے لیے واجب ہے، کیونکہ جو تربیتی و تعلیمی نتائج شفقت و پیار سے حاصل کیے جاسکتے ہیں کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ، یُحِبُّ الرِّفْقَ، وَیُعْطِی عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِی عَلَی الْعُنْفِ، وَمَا لَا یُعْطِی عَلٰی ما سِوَاہُ)) (۸۴)

"اللہ تعالیٰ نرم مزاج ہیں، نرمی کو پسند فرماتے ہیں، نرمی کی بدولت جو کچھ عطا کرتے ہیں وہ سختی پر عطا نہیں کرتے، بلکہ کسی دوسرے طریقے سے بھی وہ چیز نہیں مل سکتی۔"

اور پھر بچے تو اس نرمی و لطافت کے اور زیادہ حقدار ہوتے ہیں کہ ان سے پیار کیا جائے، ان کا بوسہ لیا جائے، ان سے شفقت کا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِیٍّ، وَعِنْدَہُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِیْمِیُّ جَالِسًا، فَقَالَ الاَقْرَعُ: اِنَّ لِی عَشَرَۃً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْھُمْ اَحَدًا، فَنَظَرَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ: ((مَنْ لَا یَرْحَمْ لَمْ یُرْحَمْ)) (۸۵)

---

(۸۴) صحیح مسلم، کتاب البر والصّلۃ، باب فضل الرفق، ح ۲۵۹۳ و سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الرفق، ح ۴۸۰۷

(۸۵) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ و=

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ پاس ہی حضرت اَقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اقرع کہنے لگے: "میرے دس بچے ہیں' میں نے تو کبھی کسی بچے کا بوسہ نہیں لیا"۔ رسول اللہ ﷺ نے ادھر نگاہ اٹھائی اور فرمایا: "جو کسی پر رحم نہیں کرتا' اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

ایک دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

قَدِمَ نَاسٌ مِنَ الْاَعْرَابِ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ' فَقَالُوا: اَتُقَبِّلُوْنَ صِبْيَانَكُمْ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ! فَقَالُوا: لٰكِنَّا وَاللّٰهِ مَانُقَبِّلُ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((وَاَمْلِكُ اِنْ كَانَ اللّٰهُ نَزَعَ مِنْكُمُ الرَّحْمَةَ؟)) (۸۶)

"کچھ دیہاتی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' انہوں نے سوال کیا: "کیا تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟" حاضرین (محفل میں موجود صحابہ کرام) نے جواب دیا "ہاں' ہاں ہم بوسہ لیتے ہیں"۔ آنے والوں نے کہا: "لیکن بخدا ہم تو ایسا نہیں کرتے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر اللہ نے تمہارے دلوں سے رحمت و شفقت ہی نکال کر پھینک دی ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں؟"

چنانچہ بچوں سے پیار محبت کا سلوک کرنا' ان سے شفقت سے پیش آنا جہاں فطرتِ انسانی کا حصہ ہے' وہاں اگر یہ کام سُنّتِ نبوی سمجھ کر کیا جائے تو یہ کارِ ثواب اور تربیتِ اخلاق کا بہترین مظہر بھی ہے۔

= معانقتہ' ح ۵۶۵۱۔ صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب رحمتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالصبیان والعیال و تواضعہ وفضل ذلک' ح ۲۳۱۸

(۸۶) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب رحمة الولد و تقبیلہ و =

تربیتِ اولاد

انسان اپنی اولاد کی پرورش کے لیے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہزاروں جتن کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی اس کے ساتھ ساتھ ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ان کی تربیت اسلامی طریقے سے کرے' ان کو اسلامی احکام کی تعلیم دے' اسلامی اخلاق کا عادی بنائے اور کوشش کرے کہ یہ اخلاق و عادات رفتہ رفتہ اس کے مزاج کا حصہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ... ﴾ (التحريم : ٦)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

حضور اکرم ﷺ کی رحیم و شفیق ذات جو ہر معاملے میں سراپا رحمت ہے' انہوں نے بھی دینی فرائض کے معاملے میں اولاد پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے' کیونکہ دنیا کی معمولی سختی حتیٰ کہ مارپیٹ کی سزا بھی آخرت کے عذاب سے ہزار درجے بہتر اور نفع بخش ہے ـــــ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مُرُوا اَبْنَاءَ كُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرٍ، وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) (۸۷)

= معانقته ح ۵۶۵۲۔ صحیح مسلم' كتاب الفضائل' باب رحمته صلى الله عليه وسلم بالصبيان والعيال و تواضعه وفضل ذلك' ح ۲۳۱۷

(۸۷) سنن ابى داؤد' كتاب الصلاة' باب متى يؤمر الغلام بالصلاة' ح ۴۹۴' ۴۹۵۔ المستدرك للحاكم' ج ۱ ص ۱۹۷' كتاب الصلاة' باب امر الصبيان بالصلاة لسبع سنين۔ مسند امام احمد ۲/۱۸۷۔ حدیث صحیح ہے

"سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم دو (اور اگر نہ پڑھیں تو) دس سال کی عمر میں انہیں مارو۔ اور ان کے بستر بھی علیحدہ علیحدہ کردو۔"

اسی ذمہ داری کو رسول اللہ ﷺ نے عمومی انداز سے بھی بیان فرمایا ہے تاکہ اولاد' بیوی اور دیگر زیر تربیت افراد کا بھی انسان احساس کرے اور ان کی تربیت کو ایک فرض کا درجہ دیتے ہوئے ادا کرے۔ فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (۸۸)

"تم میں سے ہر فرد ذمہ دار ہے اور اپنے اپنے حلقۂ ذمہ داری کا اس سے حساب ہوگا۔"

اور بالخصوص اولاد (جو دنیا میں انسان کے لیے باعثِ سکون ہے اور ان کی نیکیاں اور دعائیں آخرت کا زادِ راہ ہیں[۱]) کی تربیت انسان پر فرض ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالُوا. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ عَلِمْنَا مَا حَقُّ الْوَالِدِ' فَمَا حَقُّ الْوَلَدِ؟ قَالَ: ((اَنْ يُحْسِنَ اسْمَهُ وَيُحْسِنَ اَدَبَهُ)) (۸۹)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ والد کے (اپنی اولاد پر)

---

(۸۸) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب ﴿قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ ح ۴۸۹۲

[۱] یہ بات "اولاد کی آرزو کرنا" کے عنوان سے حدیث ۴' ۵ میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(۸۹) سنن البیهقی۔ حدیث اگرچہ ضعیف ہے' لیکن اسی معنی کی دو حدیثیں سنن الترمذی میں ضعیف سندوں کے ساتھ نقل کی گئی ہیں' لہٰذا مفہوم کسی حد تک گزارا لائق ہو جاتا ہے۔

حقوق کیا ہیں! آپؐ بتا دیں کہ اولاد کے (والد پر) کیا حقوق ہیں؟"
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "والد اس کا نام اچھا رکھے' اور اس کی تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام کرے۔"

سی موضوع کی مزید تفصیلات جاننے کے لیے "بیٹیوں کی پرورش" والا مضمون دوبارہ پڑھ لیں۔

والدین کے ذمے اولاد کے حقوق میں سے اہم ترین حق یہ ہے کہ ان کے رمیان عدل و انصاف کا سلوک کریں۔ اس کی وجہ سے جہاں اولاد اور والدین کے درمیان رشتہ خلوص اور اطاعت باقی رہتا ہے وہاں باہم بھائی بہنوں کے رمیان بھی چپقلش' شکر رنجی یا حسد کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ انہی مقاصد کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِي اَوْلَادِكُمْ)) [۹۰]

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو۔"

ر کسی صحابی نے لاعلمی کی وجہ سے اولاد کے درمیان انصاف نہیں کیا تو رسول للہ ﷺ نے اسے ٹوک دیا اور انصاف کا حکم دیا:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰى بِهِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ: اِنِّيْ نَحَلْتُ ابْنِيْ هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِيْ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَ هٰذَا؟)) قَالَ: لَا' فَقَالَ: ((اَرْجِعْهُ))

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ: ((فَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟)) قَالَ:

---

(۹۰) صحیح البخاری' کتاب الھبۃ' باب الاشھاد فی الھبۃ ح ۲۵۸۷۔
و صحیح مسلم' کتاب الھبات' باب کراھیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبات' ح ۱۶۲۳۔

لاَ' قَالَ: ((اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِي اَوْلاَدِكُمْ)) فَرَجَعَ اَبِي فِي تِلْكَ الصَّدَقَةِ (۹۱)

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: "میں نے اپنے اس بچے کو ایک غلام تحفۃً دیا ہے جو میرا اپنا تھا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تم نے اپنے سارے لڑکوں کو اسی طرح کا غلام دیا ہے؟" والد صاحب نے جواب دیا "نہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سے غلام واپس لے لو۔"

(صحیح مسلم کی روایت کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "کیا تم نے سب لڑکوں کو غلام دیا ہے؟" والد صاحب نے کہا: "نہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور بچوں کے درمیان انصاف کیا کرو' —— چنانچہ والد صاحب نے وہ تحفہ مجھ سے واپس لے لیا۔"

---

(۹۱) صحیح البخاری' کتاب الھبة' باب الھبة للولد' ح ۲۴۴۶۔ وصحیح مسلم' کتاب الھبات' باب کراھیة تفضیل بعض الاولاد فی الھبات' ح ۱۶۲۳

نوٹ : والدین اپنی اولاد پر جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ دو طرح کا ہوتا ہے:

ضروریات : ضروریات پورا کرنے میں عدل تو ہو گا' مساوات ضروری نہیں' کیونکہ دو سال کے بچے اور پندرہ سال کے بچے کی ضروریات ہر اعتبار سے مختلف ہوں گی۔ پرائمری سکول کے طالب علم اور کالج یا یونیورسٹی کے طالب علم کی ضروریات کے درمیان بھی واضح فرق ہو گا —— اسی طرح لڑکے کی ضروریات اور لڑکی کی ضروریات کے مابین بھی فرق رہے گا۔ یہاں مساوات نہ ممکن ہے اور نہ شرعاً مطلوب ہے۔

عنایات : البتہ جہاں معاملہ عنایات' تحائف یا بڑی عمر میں جائیداد وغیرہ کی تقسیم کا ہے یہاں عدل و انصاف اور مساوات ضروری ہے' جس کی شریعت نے واضح حدود مقرر کر دی ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث کا تعلق بھی اسی قسم سے ہے۔

(مرتب و مترجم غفر اللہ لہ' ولوالدیہ ولاساتذ

طبّی مشورے

۱۔ یوں تو والدہ کا دودھ ہر بچے کیلئے سب سے بڑی نعمت ہے اور جس طرح ماں کا دنیا میں کوئی بدل نہیں اسی طرح ماں کے دودھ کا بھی بدل نہیں ـــــ اِلّا یہ کہ ماں بیمار ہو یا اس کے دودھ میں کوئی بیماری ہو ـــــ لیکن خاص طور پر پیدائش کے دوسرے دن سے لے کر چوتھے دن تک تین دن کا دودھ انتہائی قیمتی اور بچے کے کمزور جسم کیلئے معدنیات اور روٹامنز سے بھرپور ٹانک کا درجہ رکھتا ہے۔

۲۔ تین ماہ تک بچے کو بلاوجہ اٹھانا' یا گھمانا پھرانا بہتر نہیں' کیونکہ اس کا جسم کمزور ہوتا ہے اور اسے ماں کے قریب رہنا چاہیئے تاکہ ماں کے جسم کی گرمی اور حرارت اسے ملتی رہے۔

۳۔ چوتھے ماہ بچے کو دودھ کے ساتھ ساتھ دیگر غذائیں بھی دی جائیں' جن میں گندم کا دلیہ کسی بھی شکل میں شامل ہو۔ کچھ عرصے بعد شوربہ بھی اور پھر نرم گوشت۔

۴۔ جب بچہ چار ماہ کا ہو جائے تو وہ بولنے کی کوشش کرتا ہے خواہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اُس وقت اس کی زبان پر شہد لگانا چاہیئے۔ وہ جلد بولنا سیکھ جائے گا اور زبان بھی صاف ہو گی ـــــ کوشش کریں کہ سب سے پہلے اسے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" سکھایا جائے۔

۵۔ جب بچہ دانت نکال رہا ہو تو اس کے مسوڑوں پر مکھن یا دیسی گھی ملنا چاہیئے۔ ان دنوں انتہائی کوشش کریں کہ بچہ کوئی سخت چیز منہ میں نہ ڈالے ورنہ دانت متأثر ہو سکتے ہیں۔

۶۔ بچہ اگر بھوک کی وجہ سے روئے تو والدین کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے'

کیونکہ رونا بچے کی صحت کیلئے مفید ہے۔ اس سے اس کے پٹھے سخت ہوں گے' انتڑیاں کھلیں گی' سینہ چوڑا ہو گا' دماغ کو گرمی پہنچے گی' مزاج میں حرارت پیدا ہو گی' بھوک بڑھے گی اور دماغ کے اندر موجود اضافی رطوبتوں میں کمی آئے گی۔

۷۔ لنگوٹ یا چڈی کا اہتمام ضرور رکھنا چاہیئے جب تک کہ بچے کے اعضاء میں قوت پیدا نہ ہو جائے۔ اسے زمین پر بٹھایا جائے اور ایک عرصے تک اسے کھڑے ہونے اور چلنے کی مشق کروائی جائے۔ بالآخر وہ خود ہی چلنا شروع کر دے گا۔

۸۔ بچے کو گھبراہٹ پیدا کرنے والی شدید اور خوفناک آواز سے بچایا جائے۔ اسی طرح خوفناک اور ڈراؤنے مناظر سے بھی دور رکھا جائے' کیونکہ اس کا دماغ بڑا نازک اور کمزور ہوتا ہے۔ اس طرح کی پریشان کن صورتیں بچے کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بسااوقات بچہ ساری عمر حافظے کی کمزوری یا قوتِ فکر کی کمزوری کا شکار رہتا ہے۔ اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے تو ماں بچے کو گود میں لے لے' اسے دودھ پلائے اور اسے ہنسانے کی کوشش کرے' تاکہ بچے کے دماغ سے اس خوفناک صورتحال کا بوجھ اتر جائے ـــــ اور پھر اسے سلا دیا جائے۔

۹۔ دانت نکالنے کے موسم میں بچے کی صحت بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کبھی قے آتی ہے۔ کبھی بخار ہو جاتا ہے۔ بچہ چڑچڑا ہو جاتا ہے ـــــ خاص طور پر جب بچہ سخت سردیوں یا سخت گرمیوں میں دانت نکالے۔ عام طور پر بچے ساتویں مہینہ سے لے کر دسویں مہینے کے درمیان دانت نکالتے ہیں ـــــ ان دنوں بچے کے معاملے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیئے۔ نرم غذا دی جائے۔ زیادہ پیٹ بھرا نہ رہے۔ نہ ہی زیادہ خالی ہونے پائے' ورنہ اسہال شروع ہو جائیں گے یا قبض ہو جائے گی۔ دونوں ہی صورتیں بچے کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اگرچہ اسہال کا معاملہ زیادہ نقصان دہ نہیں ہے ـــــ قبض بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

۱۰۔ اگر ممکن ہو تو بچے کو پورے دو سال تک ماں کا دودھ مہیا کیا جائے۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو اس سے پہلے بھی چھڑایا جا سکتا ہے ـــــ البتہ دودھ چھڑاتے وقت مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ دودھ سردیوں میں یا موسمِ ربیع میں چھڑایا جائے۔

۲۔ اُس وقت بچہ بیمار نہ ہو اور نہ ہی زیادہ کمزور ہو۔

۳۔ دودھ آہستہ آہستہ چھڑایا جائے اور آہستہ آہستہ دوسری غذاؤں کا بچے کو عادی بنایا جائے۔

۴۔ متبادل غذاؤں میں دہی 'لسّی' دلیہ (جو دودھ میں پکا ہو) کا زیادہ اہتمام بہتر اور مناسب رہتا ہے۔

۵۔ بچے کو ہمیشہ تازہ غذا فراہم کی جائے۔ باسی غذا سے پرہیز بہت ضروری ہے۔

۶۔ غذا کے اندر کوئی ایسی چیز شامل نہ ہو جس سے بچے کو الجھن ہو' ورنہ وہ دودھ چھوڑنے اور غذا کی طرف مائل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔

۷۔ بچے کو ایک وقت میں ایک ہی قسم کی غذا دی جائے۔ یہ معدے کے لیے بہت مناسب ہے۔

۸۔ مقررہ اوقات پر بچے کو غذا دی جائے تاکہ وہ کسی نظام کا پابند ہو جائے۔ یہ بات معدے کے لیے بھی مفید ہے۔

۹۔ بچے کا کھانا' اس کے برتن اور اس سے متعلق ہر چیز انتہائی صاف ستھری ہونی چاہیئے۔ کیونکہ بچہ کمزور ہونے کے سبب بہت جلد بیماری کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

۱۱۔ بچے پر دباؤ ڈال کر اسے خلافِ طبیعت یا زائد از ضرورت کھانے پر مجبور

نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بچے کے لیے بلکہ ہر انسان کے لیے وہی غذا نفع بخش ہوتی ہے جو مزاج کے موافق ہو ــــ اور چاہت کے ساتھ کھائی جائے۔

۱۲۔ کھانے کے فوراً بعد زیادہ ٹھنڈا پانی نہیں پینا چاہیئے کیونکہ اس کے بعد کھانا ہضم کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور متعدد بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

۱۳۔ وقت سے پہلے بچے کو چلنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے' کیونکہ اس طرح بوجھ کی وجہ سے اس کی ٹانگیں ٹیڑھی بھی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح بچے کی نیند' قے' بھوک' پیاس ٹالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے بچے کو تکلیف ہوتی ہے' بلکہ مستقبل میں بھی اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

جس عرصہ میں بچہ اپنی والدہ کا دودھ پی رہا ہو تو میاں بیوی کی فطری ملاقات پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَالْفَارِسِ فَاِذَا هُمْ يَغِيْلُوْنَ اَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ اَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا)) (۹۴)

"میں نے ارادہ کیا تھا کہ "غیلہ"[1] کرنے سے روک دوں' پھر میں نے روم اور ایران والوں کے معاملے پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی "غیلہ" کرتے ہیں اور ان کی اولاد کا اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔"

حدیث کا پس منظر بتا رہا ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا روکنا شرعی گناہ کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ اندیشۂ نقصان اور تکلیف کے پیش نظر تھا۔ واللہ اعلم بالصواب ــــ لہٰذا شرعاً کوئی حرج نہیں' البتہ طبّی لحاظ سے اگر کسی بچے کو نقصان ہو رہا ہو تو یا دودھ چھڑوا دیا جائے یا میاں بیوی احتیاط کریں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اخلاقیات

جس طرح بچے کی صحت کا خیال رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے اسی طرح' بلکہ اس سے بھی زیادہ' بچے کے اخلاق کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنا والدین کی ذمہ داری ہے۔

۱۔ بچوں پر بہت زیادہ غصے کا اظہار نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کی موجودگی میں غصے کے انداز میں بولا جائے ــــــ اس سے بچے کا ذہن متأثر ہوتا ہے۔ ابتداء میں بچہ گھبراہٹ اور الجھن محسوس کرتا ہے اور سہما سہما رہتا ہے' بالآخر خود بھی غصے سے بات کرتا ہے اور یہی عادت ساری عمر اس کے ساتھ رہتی ہے۔

۲۔ جلد بازی اور بے ترتیبی بھی بچے کے اخلاق پر بڑا اثر مرتب کرتی ہے۔ چنانچہ وہ سنجیدگی سے اور سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا' بلکہ خود بھی ساری زندگی جلد باز اور غیر مرتب رہتا ہے۔

۳۔ بے ہودہ محفلوں' بدکلام دوستوں اور نکمے ساتھیوں سے بچے کو اتنی احتیاط سے بچایا جائے جس طرح اسے زہر آلود غذاؤں سے بچایا جاتا ہے۔

۴۔ بچے کو اچھے اخلاق کا عادی بنایا جائے۔ مثلاً سچ بولنا' بڑوں کا ادب کرنا' ہم عمروں کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا' چھوٹوں سے پیار کرنا' محتاجوں کی مدد کرنا' پڑوسیوں کا لحاظ کرنا' غریبوں اور فقیروں پر ترس کرنا وغیرہ وغیرہ ــــــ یہ

---

(۹۲) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب جواز الغیلة' ح ۱۴۴۲

لہ "غیلہ" سے مراد ہے میاں بیوی کی فطری ملاقات جب کہ بچہ اپنی والدہ کا دودھ پی رہا ہو۔

۵۔ چوری' جھوٹ' بددیانتی' فریب' دھوکہ' مکر جیسے گھناؤنے کاموں سے بچے کو بچایا جائے ــــــ اس کا سب سے خوبصورت طریقہ یہ ہے کہ خود ایسے کام نہ کیے جائیں اور نہ ہی کوئی ایسا واقعہ بچے کو سنایا جائے جس میں ان چیزوں کا تذکرہ موجود ہو۔

۶۔ لاڈ' پیار اور محبت کے نام سے بچے کو سست' آرام پرست' نکما اور بے عمل نہ بنا دیا جائے بلکہ اسے کام کرنے کی عادت ڈالی جائے اور کام کرنے والے بچے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۷۔ علم ایک ایسی دولت ہے جس کی تعریف کرنا بھی ناممکن ہے۔ بچے کو پانچ چھ سال کی عمر سے لے کر تعلیم دلوانی شروع کر دی جائے۔ دنیاوی تعلیم بھی زندگی کے حسن و آسائش کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔ نماز' ناظرہ قرآن' آخری پارے کی کم از کم بیس سورتیں اور ضروری مسنون دعائیں بچے کو ابتدائی عمر میں یاد کروا دی جائیں۔

۸۔ بلا ضرورت کھانا' فضول باتیں کرنا' بہت زیادہ سونا بچے کی صحت اور اخلاق کو تباہ کرنے والے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا کا سکون اور آخرت کی نجات بھی خطرے میں ہے' لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

۹۔ بچے کو کسی شکل میں بھی نشے یا سگریٹ کا عادی نہ بننے دیا جائے۔ بعض مائیں اپنے آرام یا کاموں کی خاطر بچے کو افیون دے کر سلا دیتی ہیں ــــــ اتنی بڑی دشمنی کوئی کافر دشمن بھی کسی انسان کے ساتھ نہیں کر سکتا جتنی دشمنی ایسی مائیں کرتی ہیں۔ بسا اوقات یہی چھوٹی سی بھول یا نادانی بچے کو ساری عمر کے لیے نشے کا غلام بنا دیتی ہے جس سے انسان کی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت بھی تباہ

ہو جاتی ہے۔

انتہائی سخت ضرورت کے بغیر نیند لانے والی گولی کا بھی یہی نقصان ہے۔ اس سے بھی پرہیز کیا اور کروایا جائے۔

۱۰۔ خالص ریشم یا ریشم نما کپڑوں کا استعمال لڑکوں کے لیے بہتر نہیں۔ اگرچہ خالص ریشم صرف مَردوں پر حرام ہے[1]، لیکن لڑکوں کو اس لیے منع کر دیا جائے تاکہ ان کے جسم میں نزاکت اور زنانہ پن نہ پیدا ہو۔

۱۱۔ حالات اور امکانات کے پیشِ نظر بچوں کے کھیلنے کا بھی مناسب موقع ہونا چاہیئے ــــــ اس سلسلے میں خواہ مخواہ کی سختی بچے کو سست اور نااہل بنا دیتی ہے۔ موجودہ زمانے میں بیسیوں قسم کی کھیلیں موجود ہیں۔ ایسی کھیل کا انتخاب بہتر ہے جس میں وقت اور سرمایہ کم لگے، بھاگنے، دوڑنے اور مقابلہ کرنے کا موقع زیادہ ہو۔ لڑکیوں کے لیے بھی کھیل یا تفریح کوئی گناہ نہیں ہے، بس لڑکوں سے میل جول یا نمائشِ عوام نہ ہو۔

۱۲۔ صحت، اخلاق اور تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکوں اور لڑکیوں کو کسی نہ کسی قسم کا فن ضرور سکھانا چاہیئے ــــــ اور بالخصوص لڑکیوں کو سلائی، کڑھائی، کھانا بنانا یا دستکاری کا کوئی اور ہنر ضرور سکھا دیا جائے تاکہ مستقبل میں وہ اپنی توانائیوں سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور معاشرے کو بھی فائدہ دے۔

---

[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا۔ پھر فرمایا: یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔" ملاحظہ ہو: سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء، ح ۴۰۵۷۔ سنن النسائی، کتاب الزینۃ، باب تحریم الذھب علی الرجال، ح ۵۱۵۹، ۵۱۶۰، ۵۱۶۱ حدیث صحیح ہے۔

۱۳۔ جدید ترین ٹیکنالوجی یعنی کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم بچوں کے لیے عموماً اور لڑکیوں کے لیے خصوصاً انتہائی مفید ہے۔ ستر و حجاب کے آداب کے ساتھ اس پر کام کیا جا سکتا ہے اور فراغت کا بہترین مصرف ہونے کے ساتھ ساتھ حسبِ ضرورت معقول اور حلال آمدن کا ذریعہ بھی ہے۔

ضمیمہ

بچے کی خوراک

تحریر: ڈاکٹر حافظ عبدالغفار احسن۔ رحیم یار خان

پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں جسم کی نشوونما کی شرح زندگی کے تمام مراحل سے زیادہ ہوتی ہے۔ عموماً بچے کا وزن پہلے پانچ ماہ میں دوگنا' ۱۲ ماہ میں تین گنا اور ۲۴ ماہ (دو سال) تک پیدائش کے وزن سے چار گنا ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عمر کے اس حصے میں یعنی ابتدائی دو سال میں بچے کو ایسی خوراک ملے جس میں خوراک کے تمام اجزاء مناسب مقدار میں موجود ہوں اور وہ آسانی سے ہضم بھی ہو سکے۔ اور یہ بات تو انتہائی ضروری ہے کہ خوراک کے تمام اجزاء مثلاً چکنائی' لحمیات' نشاستہ دار اجزاء' معدنیات اور حیاتین اتنی ہی مقدار میں موجود ہوں جتنی بچے کو ضرورت ہے۔

بچے کی یومیہ مائع کی ضروریات

شیر خوارگی میں پانی کی ضرورت زندگی کے تمام مراحل سے زیادہ ہوتی ہے۔ بچے کے گردے بڑوں کے گردوں کی طرح گاڑھا پیشاب بنانے کے قابل نہیں ہوتے۔ اس لیے اگر بچے کی خوراک میں پانی کا تناسب زیادہ نہ ہو تو پیشاب کم بنے گا اور فاضل مادے بچے کے جسم سے مکمل طور پر خارج نہیں ہو سکیں گے۔ نتیجتاً بچہ بیمار ہو سکتا ہے۔ بچے کو زیادہ پانی کی ضرورت اس لیے بھی ہوتی ہے کہ بڑوں کی نسبت بچے کی جلد' پھیپھڑوں اور پاخانے سے پانی کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔

ایک شیر خوار کو ۲۴ گھنٹے میں اندازاً ۱۵۰ ملی لیٹر فی کلوگرام جسمانی وزن کے حساب سے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر بچے کا وزن تین کلوگرام ہے تو اسے ایک دن میں ۴۵۰ ملی لیٹر پانی کی ضروت ہوگی۔ وہ بچے جن کا وزن پیدائش کے وقت نارمل سے کم ہوتا ہے انہیں اس سے بھی زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

توانائی کی ضرورت

بچے کو شیر خوارگی میں ۲۴ گھنٹے میں ۱۱۰ سے ۱۵۰ کلو کیلوریز فی کلوگرام جسمانی وزن کے حساب سے ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک تین کلوگرام وزنی بچے کو ۳۳۰ سے ۴۵۰ کیلوریز کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے چار ماہ میں ماں کا دودھ ہی بچے کی تمام ضروریات پوری کر سکتا ہے اور کسی اضافی خوراک کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لحمیات، چکنائی اور نشاستہ دار اجزاء

ماں کے دودھ میں یہ تمام اجزاء اس قدر مناسب مقدار میں موجود ہوتے ہیں کہ بچہ انہیں آسانی سے ہضم کر کے جزوِ بدن بنا سکتا ہے۔

معدنیات

اکثر عورتوں میں کثرتِ حیض یا غذائی قلت کی وجہ سے خون کی کمی ہوتی ہے۔ ان کے خون میں اکثر فولاد کم ہوتا ہے۔ اس لیے جب یہ عورتیں اسی حالت میں بچے کو دودھ پلاتی ہیں تو بچے کو اس کی جسمانی ضرورت کے مطابق فولاد کی پوری مقدار نہیں مل پاتی اور اس میں بھی فولاد کی کمی ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں پیدائش کے وقت بچے کے جسم میں فولاد کا جو ذخیرہ ہوتا ہے وہ جلد ہی خون کے

سرخ ذرات بنانے میں استعمال ہو جاتا ہے۔ چھ ماہ تک ماں کا دودھ بچے کی فولاد کی ضرورت پوری کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے' بشرطیکہ ماں میں فولاد کی کمی نہ ہو۔ جن بچوں کو ماں کا دودھ میسر نہ ہو ان کو فولاد والا شربت دے دینا بہتر رہتا ہے۔

وٹامنز

بچے کی ضرورت کے تمام وٹامنز (حیاتین) ماں کے دودھ میں موجود ہوتے ہیں۔ اضافی وٹامنز کی ضرورت صرف ان بچوں کو ہوتی ہے جو وقت سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا جنہیں بھوک کم لگتی ہو' یا انہیں بار بار کوئی انفیکشن ہو جاتی ہو۔

بچے کو کونسا دودھ پلایا جائے

آج کل ڈبے کا دودھ پلانے کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ ڈاکٹروں' نرسوں اور ان لوگوں کی بے حسی اور کاہلی ہے جو نئے والدین کو ماں کے دودھ کے فوائد بتا سکتے ہیں' مگر اپنے اس فرض میں کوتاہی کا شکار ہیں۔ اور دوسری وجہ دودھ بنانے والی کمپنیوں کا لالچ ہے۔ یہ کمپنیاں اپنے مالی فائدے کی خاطر والدین کو یہ تأثر دیتی ہیں کہ ان کا بنایا ہوا دودھ بچے کے لئے کسی بھی غذائی جزو کی قلت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور شاید نئی ماں کو بوتل میں دودھ کی مقررہ مقدار دیکھ کر زیادہ سکون ہو جاتا ہے کہ اس کے بچے کو پوری غذا مل رہی ہے۔ بچے کو دودھ پلانے کا مقصد صرف یہی نہیں کہ اس کی غذائی ضرورت پوری کر کے اس کی نشو و نما کی جائے' بلکہ جب ماں بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے تو ماں اور بچے کے درمیان پیار بڑھتا ہے۔ بچہ ماں کی گود میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کرتا ہے۔ اس طرح ماں اور بچے کی باہمی محبت بڑھتی ہے۔ علاوہ ازیں ماں بھی ابتدائی مہینوں میں خصوصی طور پر خود کو بچے سے الگ نہیں کرنا چاہتی اور اسے

بچے کی بہت سی ضروریات کا پتہ بھی چلتا ہے۔

یقیناً ایک ایسی ماں جو اپنے بچے کو ڈبے کا دودھ پلا رہی ہو وہ اپنے بچے کے ساتھ اتنی گہری محبت پیدا کرنے میں ناکام رہے گی جتنا کہ اپنا دودھ پلانے والی ماں۔ اور اس بات کا سو فیصد امکان رہتا ہے کہ کوئی بھی دوسرا فرد بچے سے اس محبت کا حصہ لے لے جو اس نے صرف والدہ کو دینی تھی۔

جدید تحقیق نے بہت سی ایسی وجوہات ثابت کردی ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بچے کے لئے ماں کا دودھ نہ صرف بہترین غذا ہے بلکہ اس سے بہت سی بیماریوں خصوصاً پیٹ کی بیماریوں سے تحفظ ملتا ہے۔ ماں کے دودھ میں ایسے کیمیائی اجزاء (Immunoglobolins اور Antibodies) خارج ہوتے ہیں جو جراثیم کو ہلاک کرتے ہیں اور انہیں بچے کی آنتوں کے ساتھ چپکنے سے باز رکھتے ہیں۔

اس بات کے بھی واضح دلائل موجود ہیں کہ اس صورت میں پستان کی صحت بہترین رہتی ہے اگر اسے اپنا قدرتی کام سرانجام دینے کا موقع دیا جائے۔

مختصراً یہ کہ اگر بچے کو ماں اپنا دودھ پلائے تو اس سے نہ صرف بچے کی صحت بہتر رہتی ہے بلکہ ماں کے پستان بھی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔

ماں کے دودھ کے فوائد

۱۔ ماں کو اپنا دودھ پلانے میں کوئی رقم خرچ نہیں کرنی پڑتی۔ اس لیے یہ بچے کی سستی ترین غذا ہے۔

۲۔ ماں اگر بچے کو اپنا دودھ پلائے تو اسے دودھ تیار کرنے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑتی، جیسا کہ خشک دودھ یا گائے کا دودھ تیار کرنے میں ہوتی ہے،

مثلاً بوتل دھونا' گرم کرنا' میٹھا ڈالنا وغیرہ۔

۳ ۔ ماں کے دودھ کا درجۂ حرارت بچے کے لیے انتہائی مناسب ہوتا ہے۔ نہ زیادہ گرم کہ منہ جل جائے اور نہ زیادہ ٹھنڈا کہ بچہ اسے پینا نہ چاہے۔

۴ ۔ ماں کے دودھ میں کسی قسم کے نقصان دہ جراثیم نہیں ہوتے جن سے بچے کا نظامِ انہضام خراب ہو۔ جبکہ دوسرا دودھ جب ہوا میں کھلا پڑا ہوتا ہے تو اس میں نقصان دہ جراثیم کے داخل ہونے کے امکانات ہوتے ہیں۔

۵ ۔ بچے کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اکثر چیزوں کو منہ میں ڈالتا ہے جس سے مختلف جراثیم اس کے منہ میں اور وہاں سے نظامِ انہضام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ان جراثیم کو ختم کرنے کے لیے ماں کا دودھ بہترین ہوتا ہے کیونکہ ماں کے دودھ میں کچھ جراثیم کُش خلیات (Phagocytes) ہوتے ہیں جو بچے کے منہ اور آنتوں میں پہنچ جانے والے نقصان دہ جراثیم کو مار دیتے ہیں۔

۶ ۔ ماں کا دودھ پینے سے بچے اور ماں میں پیار کا رشتہ زیادہ گہرا ہوتا ہے اور بچہ خود کو زیادہ محفوظ تصور کرتا ہے۔

۷ ۔ ماں کے دودھ میں غذائی اجزاء مثلاً لحمیات' چکنائی' حیاتین وغیرہ کی اتنی ہی مقدار ہوتی ہے جتنی بچے کو ضرورت ہو۔ کوئی جزو زیادہ مقدار میں نہیں ہوتا کہ بچہ اسے ہضم نہ کر سکے اور اس کی آنتوں پر بوجھ بنے اور نہ ہی کوئی جزو کم مقدار میں ہوتا ہے کہ بچے کے جسم کی نشوونما پر منفی اثر ہو۔ جبکہ گائے کے دودھ میں کچھ اجزاء انسانی دودھ سے زیادہ ہوتے ہیں جنہیں بچہ پوری طرح ہضم کر کے جزوِ بدن نہیں بنا سکتا اور بچے کے جسم میں ان اجزاء کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ اجزاء انسانی دودھ سے نسبتاً کم ہوتے ہیں جس سے بچے کی نشوونما کا ایک پہلو کمزور رہتا ہے۔

۱۰۰ ملی لیٹر دودھ کا موازنہ

اجزاء	یونٹ	ماں کا دودھ	مثالی ڈبے کا دودھ	گائے کا دودھ
توانائی	کلو کیلوری	۶۷	۶۷	۶۱
نشاستہ دار اجزاء	گرام	۷.۳	۷.۲	۴.۷
چکنائی	گرام	۴.۲	۳.۸	۳.۳
منرلز				
i- کیلشیم	ملی گرام	۲۵	۵۱	۱۱۹
ii- کلورائیڈ	ملی گرام	۴۰	۵۳	۱۰۲
iii- کاپر	مائیکروگرام	۳۵	۴۱	۳۰
iv- فلورین	مائیکروگرام	۰۷	۲۰	۱۵
v- آئیوڈین	مائیکروگرام	۰۷	۱۰	۰۵
vi- آئرن (فولاد)	مائیکروگرام	۴۰	۱۵۰	۵۰
vii- میگنیشیم	ملی گرام	۰۳	۴.۱	۱۳
viii- مینگانیز	مائیکروگرام	۰.۴	۳.۰	۲ سے ۴
ix- فاسفورس	ملی گرام	۱۵	۳۹	۹۳
x- پوٹاشیم	ملی گرام	۵۸	۷۸	۱۵۲
xi- سوڈیم	ملی گرام	۱۵	۲۵	۴۹
پروٹین (لحمیات)	گرام	۰.۹	۱.۵	۳.۳
وٹامن-اے	مائیکروگرام	۴۷	۷۵	۳۱
وٹامن بی-۶	مائیکروگرام	۲۸	۴۰	۴۲
وٹامن بی-۱۲	نینوگرام	۲۶	۱۵۰	۳۵۷
وٹامن سی	ملی گرام	۰۴	۵.۵	۰.۹
وٹامن ڈی	مائیکروگرام	۰.۰۴	۱.۰	۱.۰
وٹامن ای	مائیکروگرام	۳۱۵	۱۷۰۰	۸۰
وٹامن کے	مائیکروگرام	۰.۲۱	۳.۰	۶.۰
فلورک ایسڈ	مائیکروگرام	۵.۲	۵.۰	۵.۰
نیاسن (Niacin)	مائیکروگرام	۲۰۰	۷۹۰	۸۴
Pantothenic acid	مائیکروگرام	۲۲۵	۳۰۰	۳۱۴
رائبوفلیون	مائیکروگرام	۳۵	۱۰۰	۱۹۲
تھائیامن	مائیکروگرام	۱۲	۶۵	۳۰

صفحہ نمبر ۹۴ پر دیئے گئے ٹیبل میں گائے کے دودھ 'ڈبے کے دودھ اور ماں کے دودھ میں پائے جانے والے مختلف اجزاء کا موازنہ دیا گیا ہے۔ اس کے تفصیلی مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ گائے کے دودھ میں کچھ اجزاء انسانی دودھ سے کم اور کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔ گائے کے دودھ کے اجزاء کا تناسب ایک بچھڑے کے لیے تو انتہائی مناسب ہے' ایک انسانی بچے کے لیے نہیں۔

کلاسٹرم کیا ہے

زچگی کے بعد ابتدائی دو سے چار دن تک جو زردی مائل گاڑھا دودھ خارج ہوتا ہے اسے کلاسٹرم کہتے ہیں۔

کلاسٹرم کی بناوٹ اور فوائد

دودھ کے مقابلے میں کلاسٹرم میں پروٹین زیادہ اور نشاستہ دار اجزاء کم ہوتے ہیں۔ اس میں چکنائی کے بڑے بڑے مالیکیول ہوتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ اینٹی باڈیز(Anti bodies) بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اینٹی باڈیز ایسے مخصوص پروٹین ہیں جو کسی بھی انسان کو جراثیم سے بچانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

کوئی بھی نقصان دہ پروٹین یا کیمیائی مادہ جو انسان میں داخل ہو کر جسم کو نقصان پہنچائے اینٹی جن (Antigen) کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جسم میں ایسا نظام پیدا کیا ہے جو اینٹی جن کو پہچان کر اس کے خلاف ایسے مالیکیول یا پروٹین بنانے کی کوشش کرتا ہے جو داخل ہونے والی اینٹی جن کو ختم کر سکیں۔ اینٹی جن کے خلاف جسم کی اپنی بنائی ہوئی پروٹین کو اینٹی باڈی کہتے ہیں۔ ایک شیر خوار میں

چونکہ مدافعتی نظام (جو اینٹی باڈیز بناتا ہے) نے اپنا کام شروع نہیں کیا ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے کلاسٹرم میں اینٹی باڈیز کی بہت زیادہ مقدار رکھی ہے۔

اگر ایک جرثومہ کے خلاف جسم میں اینٹی باڈیز موجود نہ ہوں تو وہ جسم میں بیماری پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر جسم میں اینٹی باڈیز موجود ہوں تو جب بھی جرثومہ یا اینٹی جن جسم میں داخل ہو گی تو جسم میں پہلے سے موجود اینٹی باڈیز اسے بیماری پیدا کرنے کا موقع دیئے بغیر ختم کر دیں گی۔ کلاسٹرم کی بہت زیادہ اہمیت صرف اسی وجہ سے ہے کہ اس میں بہت زیادہ اینٹی باڈیز ہوتی ہیں جو بچے کو بہت سی بیماریوں سے بچاتی ہیں۔ اگر پیدائش کے دوران یا بعد میں بچے میں کوئی جراثیم یا اینٹی جن داخل ہوتی ہے تو یہ کلاسٹرم اسے ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور نومولود بہت سی بیماریوں سے بچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے بچے جنہیں کلاسٹرم پوری مقدار میں ملا ہو پیچش، قبض اور پیٹ درد کی تکلیفوں میں کم مبتلا ہوتے ہیں۔

اکثر عورتیں اس ابتدائی زردی مائل دودھ کو ضائع کر دیتی ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اس دودھ میں زہریلے مادے ہوتے ہیں ـــــ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

بچے کو دودھ پلانا

ماں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب بھی بچے کو دودھ پلائے تو بچے کو تسلی سے دودھ پینے کا موقع دے۔ بچے کے دودھ پینے کی کوشش کے دوران اگر دودھ نہیں اترتا تو دل برداشتہ ہو کر بچے کو پستان سے الگ نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ بچے کا پستان چوسنے کا عمل بھی دودھ بننے میں اہم محرک ہے۔

بچے کو دودھ کب شروع کرایا جائے

کچھ لوگ پیدائش کے بعد تین چار دن تک بچے کو دودھ شروع نہیں کراتے۔ ان کے اس عمل سے بچہ ماں کے قیمتی کلاسٹرم سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس لئے جدید تحقیق کی روشنی میں جونہی ماں کو زچگی کی تکلیف کم ہو اسے چاہیئے کہ بچے کو پستان سے لگائے تاکہ بچہ جلدی دودھ پینا سیکھ لے اور اسے کلاسٹرم پینے کا موقع بھی ملے۔ علاوہ ازیں ایسا کرنے سے دودھ بننے کا عمل جلدی اور تیزی سے شروع ہو جاتا ہے۔ بچے کو ۲۴ گھنٹے سے زیادہ پستان سے دور صرف اسی صورت میں رکھا جائے جب نومولود بیمار ہو۔

کتنی دیر بعد دودھ پلایا جائے

بعض مائیں بچے کو صرف اُس وقت دودھ پلاتی ہیں جب وہ روئے۔ مگر ماں کو چاہیئے کہ جلد از جلد اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ بچے کو کتنی دیر کے بعد بھوک لگتی ہے۔ یہ ایک مشاہدہ ہے کہ اکثر بچے دودھ پینے کے تین یا چار گھنٹے بعد دوبارہ بھوک محسوس کرتے ہیں۔ جبکہ بعض بچے دو گھنٹے بعد ہی بھوک محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

دودھ کے اترنے میں ایک ہارمون Oxytocin اور چند دوسرے عوامل مثلاً بچے کا رونا' دودھ پلانے کا شیڈول وغیرہ کارگر ہوتے ہیں۔

ماں کو پریشان یا خوف زدہ نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ پریشانی یا خوف سے دودھ بننے کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ اس لیے پریشان اور خوف زدہ ماؤں کو نفسیاتی اور اخلاقی مدد دینی چاہیئے' تاکہ وہ اپنے بچے کی بہترین ذہنی اور جسمانی پرورش کر سکیں۔

ایک وقت میں کتنی دیر دودھ پلایا جائے

یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ہر بچے کے لیے دودھ پینے کا وقت معین کیا جائے' کیونکہ ہر بچہ اپنی ضرورت کے مطابق خود ہی اپنا شیڈول بنالیتا ہے۔ مثلاً پہلے ہفتہ میں بچہ زیادہ دفعہ دودھ پیتا ہے مگر ہر دفعہ دودھ پینے کا وقت کم ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ بچہ ایک وقت میں دودھ پینے کی مقدار کو بڑھاتا جاتا ہے اور درمیانی وقفوں کو بھی زیادہ کرتا جاتا ہے۔ بچے کو تسلی سے دودھ پینے کا موقع دینا چاہیئے تاکہ وہ غذائی کمی کا شکار نہ ہو۔

دودھ پلاتے وقت پستان کو بدلنا

جو مائیں بچے کو ہمیشہ ایک طرف کے پستان سے دودھ پلاتی ہیں ان کے دوسرے پستان سے دودھ کی پیداوار بند ہو جاتی ہے۔ ماں کو یہ عادت بنالینی چاہیئے کہ دودھ اس پستان سے شروع کرے جہاں سے بچے نے پہلے چھوڑا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ پہلے سے بنا ہوا دودھ پہلے استعمال ہو جائے گا اور نئے بننے والے دودھ کے لیے جگہ بن جائے گی۔ علاوہ ازیں ہو سکتا ہے کہ پچھلی خوراک کے آخر میں کچھ قیمتی دودھ بچ گیا ہو۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دودھ پلاتے وقت پہلے ایک طرف کے پستان کو مکمل طور پر خالی کر لینا چاہیئے' لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ بچہ اپنی پیاس کے مطابق دودھ پینے کا وقت معین کرتا ہے۔ اگر بچے کو پیاس زیادہ ہے تو وہ چار یا پانچ منٹ کے بعد پستان چھوڑ دے گا اور کچھ ہی دیر بعد دوبارہ دودھ مانگے گا۔ پیاسا بچہ ایسا اس لیے کرتا ہے کہ ابتدا میں پستان میں جو دودھ بنتا ہے وہ پتلا ہوتا ہے لیکن کچھ دیر بعد اس

میں چکنائی کی مقدار بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے دودھ گاڑھا ہو جاتا ہے اور بچے کی پیاس کو پوری طرح نہیں بجھاتا اور بچہ پستان چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے بچوں کو دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ صاف ستھرا پانی بھی پلانا چاہیے۔

دودھ کیسے پلایا جائے

سب سے بہتر یہ ہے کہ آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر' یا تکیے سے ٹیک لگا کر دودھ پلایا جائے۔ بچے کی گردن ماں کی کہنی کے جوڑ پر ہو اور بچے کی گردن آگے کی طرف جھکی ہوئی نہ ہو۔

لیٹنے کی حالت میں بچہ اچھی طرح دودھ نہیں پی سکتا اور دودھ کے ساتھ ساتھ ہوا بھی نگل لیتا ہے۔

اگر پستان کا سائز بڑا ہو اور بچہ آسانی سے منہ میں نہ لے سکے تو نپل اور اس کے قریبی حصے کو دوسرے ہاتھ کی دو انگلیوں سے پکڑ کر بچے کے منہ میں ڈال دینا چاہیے۔ تاکہ بچہ آسانی سے دودھ پی لے۔

ہوا نگلنا

بہت سے بچے دودھ پینے کے دوران ہوا نگل لیتے ہیں۔ اگر زیادہ ہوا ان کے معدے میں چلی جائے تو بچہ جلدی دودھ پینا بند کر دیتا ہے۔ اور پھر اگر ایسے بچے کو فوراً اُلٹا دیا جائے تو ہوا ڈکار کی صورت میں باہر نکلتی ہے اور اس کے ساتھ ہی دودھ بھی نکل جاتا ہے۔ لیٹا ہوا بچہ جب قے کرتا ہے اور قے کے دوران اگر بچہ سانس اندر کھینچ لے تو دودھ کی کچھ مقدار اس کے پھیپھڑوں میں چلی جائے گی' جس سے بچے کی زندگی کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ماں کو چاہیئے کہ بچے کو

دودھ پلانے کے بعد کچھ دیر تک اسے سیدھا پکڑے رکھے اور اس کے پیٹ پر ایک ہاتھ رکھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کی کمر تھپ تھپائے' تاکہ اگر بچے نے دودھ پینے کے دوران ہوا نگلی ہو تو ڈکار کی صورت میں نکل جائے۔

دودھ پلانے میں مشکلات اور ان کا حل

۱۔ اگر بچہ دودھ نہیں لے رہا تو وہ بیمار ہو گا۔ اسے کسی ڈاکٹر کو چیک کرانا چاہیئے۔

۲۔ بعض اوقات صحت مند بچہ دودھ نہیں پیتا' لیکن اگر اسے دوسرے پستان سے دودھ پلایا جائے تو پی لیتا ہے۔ اس کے بعد اسے دوبارہ پہلے والے پستان سے دودھ پلایا جائے۔ اگر بچہ بار بار اس پستان کو قبول نہ کرے تو ڈاکٹر سے مشورہ کر کے دودھ کا معائنہ کرایا جائے۔

۳۔ پیدائش کے بعد ابتدائی دنوں میں بعض بچے دودھ نہیں پیتے۔ ماں کو چاہیئے کہ نپل کو دبا کر چند قطرے دودھ بچے کے منہ میں ٹپکائے۔ اگر بچہ پھر بھی پستان چوسنے پر آمادہ نہ ہو تو سارا دودھ ہاتھ یا Breast Pump سے نکال کر بچے کو پلایا جائے۔ اور ہر دفعہ دودھ نکالنے سے پہلے یہ کوشش کی جائے کہ بچہ خود دودھ پیئے۔ ایسی حالت میں اگر دودھ نکال کر نہیں پلایا جائے گا تو پستان میں بہت زیادہ دودھ اکٹھا ہو کر ورم اور سوزش ہو جائے گی' پستان میں شدید درد شروع ہو جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ پستان دودھ بنانا بند کر دیں۔

۴۔ اگر بچہ کسی بیماری کی وجہ سے دودھ نہیں پی سکتا یا تھک کر پستان جلدی چھوڑ دیتا ہے تو بھی ماں کا دودھ نکال کر اسے چمچ کے ساتھ پلایا جانا چاہیئے۔

۵ ۔ بعض ماؤں کے نپل مناسب نشوونمایافتہ نہیں ہوتے' یعنی سطح سے ابھرے ہوئے نہیں ہوتے (Retrected Nipples)۔ اگر ایسی صورت موجود ہو تو حمل کے دوران ہی اس کا علاج شروع کر دینا چاہیئے۔

۶ ۔ بعض اوقات نپل پھٹ جاتے ہیں اور درد شروع ہو جاتا ہے۔ جب تک اس حالت کا علاج ہوتا رہے اس پستان سے دودھ نکال کر بچے کو چمچ سے پلایا جا سکتا ہے۔

۷ ۔ اگر پستان میں سوزش ہو جائے تو درد اور بخار کی شکایت ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں بچے کو سوزش زدہ پستان سے دودھ نہیں پلانا چاہیئے' بلکہ دودھ کو نکال کر ضائع کر دینا چاہیئے۔ اور کچھ دودھ لیبارٹری سے معائنہ کرانے کے لیے رکھ لیا جائے اور ڈاکٹر سے علاج کے سلسلے میں رجوع کیا جائے۔

۸ ۔ جو مائیں بچے کی پیدائش کے بعد دیر سے دودھ پلانا شروع کراتی ہیں ان میں دودھ کی پیداوار بھی دیر سے شروع ہوتی ہے۔ اگر ماں صحت مند ہو تو جلد ہی دودھ کی مقدار پوری ہو جاتی ہے۔

کونسی مائیں دودھ نہ پلائیں

درج ذیل مائیں اپنے بچوں کو دودھ نہ پلائیں جب تک ان کا ڈاکٹر اجازت نہ دے:

۱ ۔ جن کو ایڈز کی بیماری ہو۔

۲ ۔ جن کو دل کی شدید بیماری ہو۔

۳ ۔ جن کو گردوں کی شدید بیماری ہو۔

۴ ۔ جن کو ٹی بی ہو اور ٹی بی کی دوائی نہ کھا رہی ہوں۔

۵ ۔ جن کو بی یا سی قسم کا یرقان ہو۔

۶ ۔ جو کینسر کی ادویات کھا رہی ہوں۔

مصنوعی دودھ پلانا (Artificial Feeding)

اس سے مراد ماں کے دودھ کے علاوہ دوسرا دودھ پلانا ہے۔ جب کسی وجہ سے بچے کو ماں کا دودھ میسر نہ ہو تو اسے گائے' بھینس' بکری یا ڈبے کا دودھ پلایا جاتا ہے' اگرچہ یہ تمام دودھ بچے کی تمام ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ گائے کا دودھ بچھڑے کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے' انسان کے بچے کی نہیں۔ اس لیے گائے کا دودھ گائے کے بچھڑے کے لیے تو انتہائی مناسب ہے مگر انسان کے بچے کے لیے نہیں۔ گائے کے دودھ کو مختلف اجزاء نکال کر یا شامل کر کے انسانی دودھ کے عین مطابق بنانے کی بہت سی کوشش کی جا چکی ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں وہ کیمیائی اجزاء شامل نہیں کیے جا سکے جو ماں کے دودھ میں قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں اور بچے کی قوتِ مدافعت میں اضافہ کرتے ہیں۔

بچے کو جو دودھ بھی پلایا جائے وہ اس کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیئے۔ مثلاً سات دن کے بچے کو ۱۵۰ ملی لیٹر فی کلو گرام جسمانی وزن کے حساب سے مائع کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ شروع شروع میں ماں کا دودھ بھی کم بنتا ہے' جس میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا ہے' اس لیے اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مصنوعی دودھ بھی پہلے دن ۶۰ ملی لیٹر فی کلو گرام جسمانی وزن کے حساب سے دینا چاہیئے اور پھر روزانہ ۳۰ ملی لیٹر کا اضافہ کرتے ہوئے دودھ کی مقدار ۱۵۰ ملی لیٹر فی کلو گرام جسمانی وزن تک کر دینی چاہیئے۔ اگر بچہ پیاسا معلوم ہو تو اسے اضافی پانی دیا جا سکتا ہے یا دودھ کو پتلا کر کے دیا جا سکتا ہے۔ ایک صحت مند بچے کے لیے

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر خوراک میں دودھ کی مقدار کا سختی سے خیال رکھا جائے۔ صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ بچہ چوبیں گھنٹے میں اپنی ضرورت کی خوراک پوری کرلے اور اس کے وزن میں تسلی بخش اضافہ ہوتا رہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر خوراک کا وقت معین کیا جائے۔ ابتدا میں بچے کی بھوک کا کوئی وقت نہیں ہوتا' لیکن چند دنوں میں بچہ خود ہی اپنا شیڈول ترتیب دے لیتا ہے۔ اس کے بعد ماں کو چاہیئے کہ بچے کے شیڈول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے غذا دے۔ اگر ماں اپنی ذاتی مصروفیت اور فراغت کے حساب سے بچے کو غذا دینا چاہے گی تو بچے کی ذہنی اور جسمانی دونوں قسم کی نشوونما متاثر ہوگی۔ اکثر بچے تین یا چار گھنٹے کی ترتیب اپنا لیتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک بچہ ہر تین گھنٹے بعد بھوک محسوس کرتا ہے تو ماں کو اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ پہلی خوراک بچے کو کب دی اور اگلی خوراک کب دینی ہے۔ خوراک کے وقت تک ماں کو چاہیئے کہ بچے کا دودھ وغیرہ تیار کر کے رکھے۔

حقیقتاً گائے یا بھینس کا دودھ انسان کے بچے کے لیے بالکل غیر مناسب ہے۔ لیکن ماں کا دودھ موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ یہ جانور صدیوں سے انسانی ضروریات کے لیے دودھ مہیا کر رہے ہیں۔

ڈبوں میں جو دودھ ملتا ہے وہ بھی گائے کے دودھ کو خشک کر کے بنایا جاتا ہے اور خشک کرنے کے بعد اس میں ایسے اجزاء ملائے جاتے ہیں جو اس دودھ میں ماں کے دودھ سے نسبتاً کم ہیں یا نہیں ہیں۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود اسے ماں کے دودھ کا متبادل نہیں بنایا جاسکا۔

جب بچے کو ڈبے کا دودھ دینا ہو تو ڈبے پر موجود ہدایات کا بغور مطالعہ کر کے ان کا مکمل خیال رکھنا چاہیئے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ بچے کو ایک وقت میں

جتنا دودھ پلانا ہو صرف اتنا ہی تیار کیا جائے۔ کچھ مائیں زیادہ دودھ تیار کر کے رکھ لیتی ہیں، تاکہ جب بچے کو دوبارہ بھوک محسوس ہو تو پہلے سے تیار شدہ دودھ دیا جا سکے۔ مگر ایسا کرنا خطرے سے کسی طرح خالی نہیں۔ اگر بنا ہوا دودھ کچھ وقت تک پڑا رہے تو اس میں جراثیم کا داخلہ ممکن ہے، جس سے بچے کا پیٹ خراب ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر بچے کو ایک برانڈ کا دودھ مناسب نہ رہے یعنی اس سے پیٹ خراب ہو جائے تو کسی دوسرے برانڈ کا دودھ دے دینا چاہیئے۔ اگر پھر بھی پیٹ ٹھیک نہ ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیئے۔

اضافی خوراک (Weaning Diet)

Wean کے معنی ہیں عادت ڈالنا۔ اس لیے Weaning سے مراد یہ ہے کہ بچے کو وہ تمام اشیاء کھانے کی عادت ڈالنی چاہیئے جو بڑے کھاتے ہیں۔ یہ دور پانچ ماہ کی عمر سے دو سال تک ہوتا ہے۔ مختلف بچوں میں اضافی خوراک مختلف عمر میں شروع کرائی جاتی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ چار ماہ تک بچے کو سوائے ماں کے دودھ کے کچھ بھی نہ دیا جائے۔ پانچویں ماہ جب اضافی خوراک شروع کرائی جائے تو سب سے پہلے نرم غذا بنا کر دی جائے۔ مثلاً کسٹرڈ، دلیا، کھچڑی وغیرہ۔ یہ خوراک اُس وقت دی جائے جب بچے نے ماں کا دودھ پی لیا ہو اور اس کی بھوک ختم نہ ہوئی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اضافی خوراک کی مقدار بڑھاتے جائیں۔ اور اگر ممکن ہو تو ماں کا دودھ پورے دو سال تک پلایا جائے، تاکہ بچہ ان اینٹی باڈیز سے محروم نہ ہو جو اسے صرف ماں کے دودھ سے ہی مل سکتی ہیں۔